لکل شئ صقالة وصقالة القلب ذکر اللہ

حبیب السالکین

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث و صدر مفتی، بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڑھ، یوپی

خلیفہ و مجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی و حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری

ناشر

مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم

مہذب پور، پوسٹ سنجر پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی (انڈیا)

ملنے کا پتہ: مکتبہ طیبہ دیوبند، یوپی

حبیب السالکین

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

مکتبۃ الحبیب



MAKTABA-AL-HABIB
JAMIA ISLAMIA DARUL ULOOM
MUHAZZABPUR P.O.SANJARPUR DISTT. AZAMGARH U.P. INDIA
Mobile: 09450546400

لکل شئ صقالة و صقالة القلب ذکر الله

حبیب السالکین

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی

بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ وحضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ



مکتبہ الحبیب

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

نام کتاب: حبیب السالکین
مصنف: حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم
صفحات: 232
قیمت: 320
ناشر: مکتبہ الحبیب، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور
پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

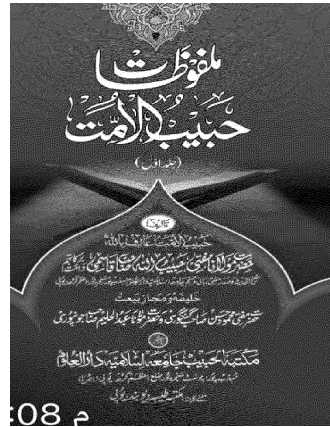
ملنے کے پتے

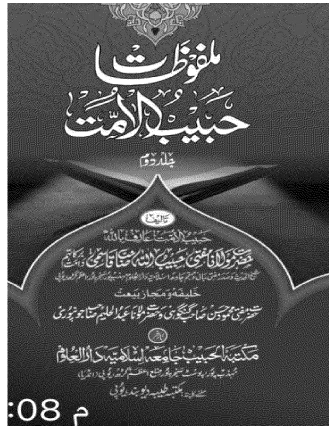
۱- مکتبہ الحبیب جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی
۲- مکتبہ طیبہ دیوبند، ضلع سہارنپور، یوپی

بسم الله الرحمن الرحيم

ملفوظات حبیب الامت (جلداول، دوم)

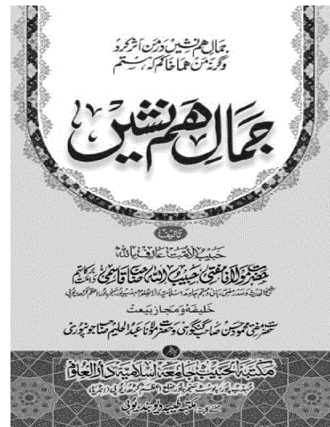
مختلف اوقات میں مختلف امکنہ ومختلف مجالس میں اس خادم نے کبھی عوام سے کبھی خواص سے کبھی طلباء سے کبھی اساتذہ سے کبھی علماء سے کبھی جہلاء سے جو کچھ القائی والہامی کتب بینی اور قطب بینی کی برکت سے جو باتیں کہیں یا کہتا رہا ان کو بعض تلامذہ، منتسبین، محبین، متعلقین وخلفاء نوٹ کرکے جمع کرتے رہے، جب ان کی مقدار زیادہ ہوگئی تو احباب و تلامذہ، خلفاء ومریدین کے اصرار پر ''ملفوظات حبیب الامت'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوکر عوام وخواص امت، اکابرین واصاغرین کے ہاتھوں میں پہونچ گئی جس نے پڑھا پسند کیا اور عام ملفوظات سے ہٹ کر ایک نیا اسلوب وانداز الہامی والقائی باتوں وارشادات کا مجموعہ قرار دیا۔



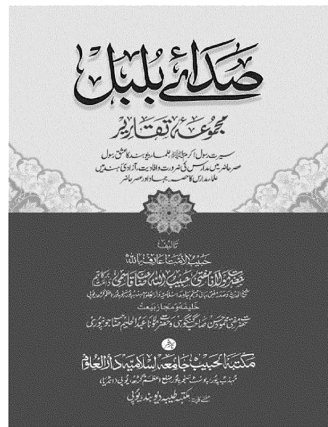


مشمولات حبیب السالکین





جمالِ ہم نشیں



صدائے بلبل
مجموعۂ تقاریر

انتساب

یہ خادم اپنی کتاب حبیب السالکین کو اپنے ان اکابرین کی طرف منسوب کرنے کی سعادت حاصل کررہاہے جن کی فیض صحبت نے اس لائق بنایا کہ یہ خادم آج اس مقام پر پہونچ سکا کہ حضرات مشائخ واکابرین صوفیاء نے اپنی خانقاہوں میں جو کچھ کیا اور کرایا اس کو سمجھ سکا بلکہ عمل میں لاکر لذت آشنا ہوسکا اور اس کو سمجھ کر اس کی ضرورت واہمیت وافادیت وتعارف پر تحریر حضرات قارئین کی نذر کرنے کے لائق بنا۔

میری مراد ان اکابرین سے درج ذیل حضرات ہیں:

(۱) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ

(۲) حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ

(۳) حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ

(۴) حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندویؒ

اس کے ساتھ اس خادم کے والد ابوالعلماء والمشائخ الحاج شیخ یار محمد صاحبؒ اور والدہ محترمہ نوراللہ مراقدہما کو فراموش نہیں کرسکتا جن کے تقوی وتدین نے خادم کو باطنی قوت بخشی اور اس مقام تک پہونچنے میں انہوں نے مدد کی۔ فقط

مفتی حبیب اللہ قاسمی

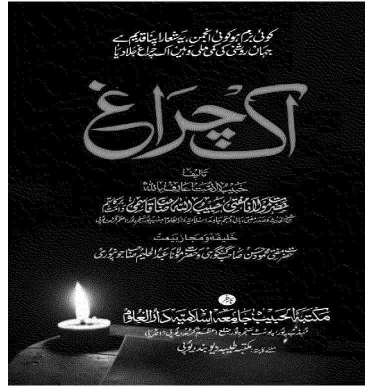
شیخ الحدیث وصدر مفتی

بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

اک چراغ

اس میں شک نہیں کہ چراغ سے ہی چراغ جلتے ہیں، کبھی ایک چراغ سے بہت سے چراغ جلتے ہیں اور ان سے اندھیرے ختم یا کم ہوتے ہیں۔ بعضوں کا یہ مزاج ہوتا ہے کہ جہاں ان کو اندھیرا نظر آتا ہے یا روشنی کی کمی نظر آتی ہے وہاں کوئی دیا یا چراغ روشن کر دیتے ہیں۔ باقی کام اس مقام و مکان کے مکینوں کا ہوتا ہے کہ وہ اس روشنی سے کتنا فائدہ اٹھاتے ہیں یا اٹھا پاتے ہیں۔

اہل شمع ضرورت کی بنیاد پر اپنا کام کر جاتے ہیں اور کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ الحمد للہ اس خادم کے باطن میں ہمارے بڑوں نے جو شمع روشن کی اس سے فیضیاب ہونے والے سیکڑوں ہیں، ان کے مختصر احوال و کیفیات پر مشتمل یہ ایک مجموعہ ہے جس کا نام ''اک چراغ'' ہے۔



عرض حبیب

یہ خادم جب دس سال کا تھا اس وقت ہر جمعہ کو بعد نماز عصر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی مجلس ذکر میں جو دفتر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی مسجد میں ہوا کرتی تھی بلاناغہ بغیر کسی تحریک کے شرکت کرنے لگا، اسی وقت سے ذکر کی حلاوت ولذت سے قلب آشنا ہوگیا تا آنکہ دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد باضابطہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے دست پر ماہ رمضان میں بعد نماز ظہر دارجدید کی مسجد میں بیعت کی سعادت حاصل کی، اس کے بعد باضابطہ حسب تلقین وہدایت دوازدہ تسبیح کا ذکر پابندی کے ساتھ شروع کردیا، پھر ایک وقت وہ آیا کہ حضرت شیخ نے فرمایا میرے پیارے میرا زیادہ قیام اب مدینہ طیبہ میں ہونے لگا ہے اس لئے اگر کوئی بات معلوم کرنی ہوتو مفتی جی (مفتی محمود حسن صاحب) سے معلوم کرلیا کرنا، چنانچہ اس تفویض کے بعد حضرت مفتی صاحب سے سلوک کے بہت سے اسباق حاصل کیے اور اس پر عمل کرکے روحانی لذت حاصل ہوئی۔ تا آنکہ حضرت شیخؒ کا وصال ہوگیا تو خادم نے حضرت مفتی صاحب سے تجدید بیعت کی درخواست کی اس پر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا میری رائے ہے کہ تم حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ سے تجدید بیعت کرلو، ان سے زیادہ فائدہ ہوگا، وہ مرج البحرین دوآتشہ ہیں، خادم نے اس تفویض کو بھی قبول کیا اور حضرت مولاناؒ سے تجدید کرلی، اس کے بعد معمولات میں اضافہ ہوتا گیا، بہت سی چیزیں ایسی بھی آئیں جن کو

شروع کرنے کی حضرت مولانا سے اجازت چاہی تو حضرت نے یہ لکھ کر اجازت دیدی کہ یہ تو میں نے کیا نہیں اور نہ کرایا گیا، لیکن اگر آپ کرنا چاہیں تو شوق سے کریں، میری طرف سے اجازت ہے۔

بہر حال اس طرح یہ خادم آگے بڑھتا گیا، پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ سلوک کے سلسلہ میں بہت سے سوالات پیدا ہونے شروع ہوئے اور اس کے شافی جواب سے محرومی رہی، پھر وہ بھی وقت آیا کہ اس مقدس سلسلہ نے وہ صورت اختیار کر لی جو قابل بیان وہ تحریر نہیں ہے، پھر کیا تھا ایسے لوگ بھی مستند ہونے لگے جو اس راہ کے ابجد سے بھی واقف نہیں، جن کو یہ بھی نہیں معلوم کہ بیعت کس طرح کیا جاتا ہے، معمولات کس طرح دیئے جاتے ہیں، اذکار کون کون سے ہیں، جس کے نتیجہ میں آج سے بیس سال قبل اس خادم نے یہ طے کیا کہ سلوک کے کچھ اصول اور اس طریق کی کچھ اہم باتیں سہل و آسان زبان میں مرتب ہو کر سالکین کے ہاتھ میں پہونچنا چاہئے تا کہ ان میں اس طریق کی کچھ شدبدھ پیدا ہو۔

چنانچہ خادم نے قلم اٹھایا، کچھ حد تک پہونچا تھا کہ مشاغل اور دیگر مصروفیات کی نذر ہو گیا۔ ادھر پھر قلبی تقاضہ شروع ہوا، چنانچہ اللہ کا نام لے کر کام شروع کیا اور الحمد للہ سلوک کی ضروری اور اہم باتیں و اصطلاحات کا تعارف مکمل ہوا، اگر چہ باتیں اور بھی تھیں، لیکن وہاں تک پہونچنا آج کے سالکین کے لئے مشکل تھا، اس لئے ایک خاص مقام پر پہونچ کر قلم کو روک دیا، اور تحفۃ السالکین کے نام سے یہ علمی سرمایہ شائع ہو کر عوام وخواص کے ہاتھوں میں پہونچ گیا۔

لیکن پچیس سال کے بعد تصوف کے دیگر اہم مضامین کا اس خادم نے اضافہ کیا اوراب یہ کتاب ’’حبیب السالکین‘‘ کے نام سے شائع ہونے جارہی ہے۔

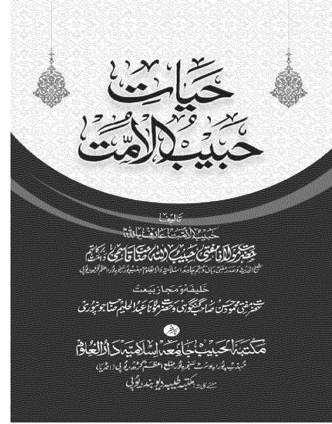
دعاء ہے اللہ پاک اس خدمت کو قبول فرمائے اور سالکین کے لئے اس کو قیمتی سرمایہ بنائے اور ان کے قلوب کی ضیاء کا ذریعہ بنائے، اور حضرات اکابرین کے فیوض سے مستفید فرمائے۔

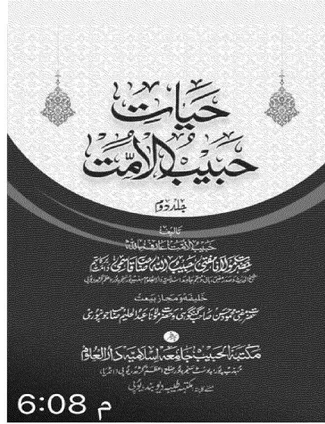
مفتی حبیب اللہ قاسمی

شیخ الحدیث وصدر مفتی

بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی

۳؍ذی قعدہ ۱۴۴۲ھ





حیات حبیب الامت (جلد اول، دوم، سوم)

ہر شخص کی زندگی میں کچھ ایسے خدوخال، نشیب وفراز، مدوجزر، تلاطم وطوفان ہوتے ہیں اور آتے ہیں کہ وہ بہتوں کے لیے مثال بنتے ہیں اور بہتوں کے لیے نمونہ اور بہتوں کے لیے درس عبرت۔

ہمارے بڑوں میں سے بعض نے بقلم خود اپنی زندگی کے نشیب وفراز کو سپرد قرطاس کیا اور بعض کی حیات پر دوسروں کا قلم چلا اور ہر ایک کی حیات کے واقعات خوردوں کے لیے اسوہ ونمونہ ومشعل راہ بنے۔

یہ خادم اگرچہ بڑوں میں سے نہیں لیکن سیکڑوں سے زیادہ اپنے ان اکابرین وبڑوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ان کی کم وبیش صحبت پائی اور ان سے فیض اٹھایا جس کا اندازہ خادم کی تالیفات کے مطالعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

جس کی تاثیر خادم کی زندگی کے بہت سے گوشوں میں لوگوں نے دیکھی اور محسوس کیا جس کے بعد ان کا اصرار شروع ہوا کہ اپنی زندگی کے نشیب وفراز اور اہم واقعات کو ہم خوردوں کے لیے قلم بند اور محفوظ کردیں تاکہ اس کے سایہ میں ہم اپنی زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔

ان اصرار کرنے والوں میں بعض ایسے مخلص رفقاء، احباء، تلامذہ، خلفاء تھے کہ ان کی درخواست مسترد نہیں کرسکا اور بادل خواستہ ونا خواستہ قلم اٹھانا پڑا اور اپنی زندگی کے نشیب وفراز وخدوخال جو ذہن میں محفوظ وباقی تھے ان کو دیانت وامانت، صداقت وعدالت کے ساتھ سپرد قرطاس کرتا چلا گیا تا آنکہ یہ مواد تین جلدوں میں جاکر مکمل ہوا۔ اور اس کا نام ''حیات حبیب الامت'' رکھا گیا۔

تزکیہ کی ضرورت

انسان جسم وروح کے مجموعہ کا نام ہے، قلب وقالب سے مرکب یہ انسان جس طرح جسم کے تحفظ وبقاء، نشونما کے لئے مادی غذا کا محتاج ہے اسی طرح روح کے نشونما، تحفظ وبقاء کے لئے روحانی غذا کا محتاج ہے۔جسم اگر مادی غذا نہ پائے تو جس طرح لاغر ونحیف ہوجاتا ہے، اسی طرح اگر روح کو روحانی غذا نہ ملے تو روح بھی کمزور وضعیف ہوجاتی ہے۔جسم کی کمزوری سے اگر مادیت متأثر ہوتی ہے تو روح کی کمزوری سے روحانیت متأثر ہوتی ہے۔لیکن اگر مادیت متأثر ہوئی تو اس کا اثر صرف دنیا کی حد تک رہتا ہے اور اگر روح متأثر ہوگئی تو اس سے روحانیت، نورانیت متأثر ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں آخرت متأثر ہوجاتی ہے، پورا دین متأثر ہوجاتا ہے۔

ایک مومن کے لئے اصل آخرت ہے، دنیا ثانوی درجہ میں ہے، ارشاد باری ہے:"**و ان الدار الآخرة لهی الحیوان لو کانوا یعلمون**"، اور ارشاد نبوی ہے: "**ان اللہ تبارک و تعالیٰ یعطی الدنیا لمن یحب ولمن لایحب ولا یعطی الدین الا لمن یحبہ**" جس طرح جسمانی امراض بہت ہیں، ان میں سے بعض انتہائی خطرناک ومہلک ہیں، اسی طرح روحانی امراض بھی بہت ہیں جن میں بعض انتہائی خطرناک ومہلک ہیں، جس طرح جسمانی امراض کی تشخیص ہوتی ہے،

چیک اپ ہوتا ہے، نسخہ تجویز ہوتا ہے، علاج ہوتا ہے، جس سے کبھی مرض دب جاتا ہے، کبھی ختم ہوجاتا ہے اور اس کے لئے باضابطہ ہاسپٹل شفاء خانے ہیں اور طبیب و ڈاکٹر ہیں۔ اسی طرح روحانی امراض کا بھی چیک اپ ہوتا ہے، نسخہ تجویز ہوتا ہے، علاج ہوتا ہے، امراض کا کبھی ازالہ ہوتا ہے، کبھی امالہ اور اس کے بھی باضابطہ شفاء خانے ہیں جو خانقاہ کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

جس طرح جسم پر میل کچیل جمع ہوجاتا ہے تو گرم پانی اور صابون وغیرہ کے ذریعہ اس میل کو دور کرکے بدن کو صاف وشفاف بنادیا جاتا ہے، جس سے بدن کی بدبو زائل ہوجاتی ہے اور جسم ہر اچھی محفل میں جانے کے قابل بن جاتا ہے، اسی طرح روح وقلب پر بھی اخلاق رذیلہ کا میل کچیل جم جاتا ہے، معاصی کا دھبہ لگ جاتا ہے تو اخلاق فاضلہ اعمال صالحہ کے ساتھ ذکر کی بھٹی میں اس کو تپا کر قلب و روح کا تنقیہ، تجلیہ، تزکیہ، تصفیہ کرکے اس کو اس قابل بنادیا جاتا ہے کہ وہ ملائکہ کی محفل میں جانے کے قابل ہوجاتی ہے اور "**قلب المومن بيت الله**" کے تحت پھر اس کا قلب اللہ کا گھر بن جاتا ہے، اللہ کی رضاء، محبت، معرفت، معیت سے قلب لبریز روح معمور ہوجاتی ہے، پھر اس کو وہ چین وسکون، طمانینت و راحت حاصل ہوتی ہے جس کے لئے بڑے بڑے امراء، حکماء، اہل ثروت، اہل سلطنت ترستے ہیں، پھر ایسے لوگوں کی نظر میں مادیت کوئی چیز نہیں ہوتی، دنیا کے نہ آنے کی خوشی نہ جانے کا غم ہوتا ہے بلکہ ہر حال میں ایسا قلب مرضئ مولیٰ کی جستجو میں لگا رہتا ہے اور ہر حال میں اسی کی رضاء پر نگاہ ہوتی ہے۔

گو ہوا دشمن زمانہ ہو مگر اے دل ہمیں

دیکھنا یہ ہے مزاج یار تو برہم نہیں

اور مرضئ مولیٰ از ہمہ اولیٰ کا نعرہ زبان پر ہوتا ہے، ایسوں کا قلب پھر ایرکنڈیشن بن جاتا ہے، خود تو ذکر الٰہی سے گرم رہتا ہے لیکن پاس بیٹھنے والے ٹھنڈک، سکون حاصل کرتے ہیں، ایسے قلوب سے جن کا قلب وابستہ ہو جاتا ہے بقول کسے دل کو دل سے راحت ملتی ہے کا مصداق بن جاتا ہے، پھر ایسا قلب و دل بہتوں کے دل کو دُل دُل بنا دیتا ہے اور دَلدَل سے نکال کر دِل کو دِل بنا دیتا ہے۔

بیعت کا مقصد

بیعت سے مقصود دراصل روح وقلب کے امراض کو پہچاننا اور اس کے لئے دواء و غذا کی فراہمی ہے، روح وقلب کے ڈینجر و خطرناک امراض کی شناخت اور اس کا علاج ہے، آج کی دنیا میں ذرائع ابلاغ کے پھیلاؤ، تقریر و تحریر کے عموم و شیوع کے پس منظر میں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ ہم کتابوں سے رسالوں سے بھی روحانی و قلبی امراض کا پتہ لگا سکتے ہیں اور اس سے اپنا علاج معلوم کر کے علاج کر سکتے ہیں؟ لیکن آج کی دنیا کے جدید فکر کو یہ یاد رکھنا ہوگا کہ آج جبکہ جسمانی امراض کی تشخیص دواؤں پر مشتمل سیکڑوں کتابیں لائبریریوں کی زینت بن چکی ہیں اس کے باوجود ڈاکٹروں کے یہاں

مریضوں کی لمبی قطاریں کیوں نظر آتی ہیں؟ اور امراض وادویہ کی تشخیص وتجویز والے یہ کیوں لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر وطبیب کے مشورہ کے بغیر یہ دواء استعمال نہ کی جائے؟

اس سے معلوم ہوا کہ علم کے عموم وشیوع کے باوجود شخصیات کا وجود وضرورت مسلم ہے، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ثانیاً یہ کہ روحانی معاملہ کو جسمانی امور پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، جسمانی سارے امور کی بنیاد مادیت پر ہے اور روحانی جملہ امور کی بنیاد روحانیت پر ہے ایک کا تعلق ظاہر سے ہے دوسرے کا تعلق باطن سے ہے۔ ظاہر وباطن کو یکساں اہل ظاہر ہی سمجھ سکتے ہیں، اہل باطن کی نظر ونگاہ میں دونوں میں فرق ہے۔

بیعت کے سلسلہ کا ایک واقعہ

کانپور کے ایک بزرگ تھے، ان کے پاس ایک صاحب آئے اور انھوں نے آکر کہا حضرت مجھ کو بیعت فرمالیں۔ بزرگ نے جب معمولی استخارہ کی تلقین کردی وہ صاحب اٹھے اور آدھے گھنٹے میں دوبارہ حاضر ہوگئے، اور کہا حضرت استخارہ کرکے آگیا، بزرگ کو حیرت ہوئی، انھوں نے پوچھا کس طرح تم نے استخارہ کیا، اس نے کہا مسجد میں جاکر وضو کرکے دو رکعت نماز ادا کی اس کے بعد اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوکر سوال کیا، ابھی تک تم آزاد تھے، یہ کیا حماقت ہے کہ اپنے کو کھونٹے میں باندھ کر اپنے کو

پابند بنا رہے ہو، اپنی تمامتر آزادی کو اپنے ہی ہاتھوں برباد کر رہے ہو۔ اس پر اندر سے جواب ملا کہ اس سے خدا مل جائے گا، پھر میں نے سوال کیا کہ کیا ضروری ہے کہ اس سے خدا مل جائے تو اندر سے جواب ملا کہ اگر خدا نہ ملا تو کم از کم خدا کے طلبگاروں کی فہرست میں نام تو آ جائے گا۔ بس یہ سننا تھا کہ بزرگ پر حال طاری ہو گیا اور فرمایا بھائی جلدی ہاتھ بڑھاؤ ابھی بیعت کرتا ہوں، ایسا استخارہ تو آج تک میں نے نہیں دیکھا۔

الغرض بیعت کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ خدا کے طلبگاروں کی فہرست میں کم از کم نام تو آ جائے گا۔ اگر خدا نہ ملا وصول نہ ہو سکا تو وصولی فہرست میں انٹری تو رہے گی، آر اے سی والوں کو بھی اکثر گاڑی میں چانس مل جاتا ہے لیکن انٹری ہی نہ ہو تو سوائے چالو بوگی کے سلیپر میں گنجائش کہاں، یا پھر پلانٹی دیجئے اس کے باوجود سیٹ کنفرم نہیں ہوتی۔ یہ صرف سلیپر میں رہنے کا جواز فراہم کرتا ہے۔ اسی طرح زندگی کی گاڑی کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے، یہ گاڑی جن جنکشنوں سے پار ہوتی جا رہی ہے اس پر رٹن نہیں ہوگی، اس گاڑی میں ریورس گیئر نہیں ہے۔ لہٰذا جس اسٹیشن پر رکے اس کو غنیمت سمجھ کر اگلے سفر کے لئے زادِ راہ ہمراہ کر لے۔

بغیر بیعت والی زندگی

صوفیاء کا مشہور مقولہ ہے جس کا کوئی شیخ، پیر، مرشد، رہبر نہیں اس کا پیر

شیطان ہوتا ہے۔ انسانی فطرت میں قیادت کی جستجو اور اس کی پیروی ہے اگر صحیح قیادت سے زندگی محروم رہی تو فاسد قیادت کی پیروی سے زندگی کو روکا نہیں جاسکتا۔ شیطان جو انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے "ان الشیطان لکم عدو مبین" اور نفس جو اس کا باوا ہے "اعدی عدوک التی بین جنبیک" وہ کب چاہے گا کہ یہ انسان اپنے دل کو اللہ کا گھر بنادے اور اس گھر کو اس کی یاد سے آباد کردے اور اس کے نتیجہ میں اس کی زندگی خوشگوار و پُرسکون بن جائے اور مرنے کے بعد قرب خداوندی اور جنت الٰہی کا مستحق بن جائے۔

شیطان و نفس کی پوری سعی ہوتی ہے کہ انسان کے قلب کی زمین خس وخاشاک سے بھری رہے، جھاڑی بنی رہے، کہیں شجر حسد ہو تو کہیں ریا ہو کہیں کبر ہو تو کہیں غرور ہو، کہیں حب مال ہو تو کہیں حب جاہ ہو، کہیں خودغرضی ہو تو کہیں خودستائش ہو، کہیں عجب ہو تو کہیں نخوت ہو۔ الغرض جب قلب کی زمین پر یہ جھاڑیاں ہوں گی اور بدنگاہی، بدزبانی، بداخلاقی، بدکرداری سے اس کی آبیاری ہوتی رہے گی تو دل ایسا جنگل بن جائے گا جس میں ہر طرح کے موذی جذبات وصفات پرورش پائیں گے جس کے نتیجہ میں دل ویران ہوکر رہ جائے گا، روح بے دم ہوکر رہ جائے گی، پھر صرف جسم انسان نما ہوگا جس میں سوائے حیوانیت اور جانور پنے کے اور کچھ نہیں ہوگا، دوسروں کا خون مباح ہوگا، دوسروں کا مال جائز ہوگا نہ نگاہ پر پابندی ہوگی نہ زبان پر نہ رفتار پر پابندی ہوگی نہ گفتار پر نتیجہ کے طور پر زندگی بے کیف و پُرخطر ہوکر رہ جائے گی خسر الدنیا

والآخرة دنیا کے ساتھ آخرت بھی تباہ وبرباد ہوجائے گی۔

بیعت کا ثبوت

شاید کسی کو اعتراض ہو کہ کیا بیعت ہونا ثابت ہے؟ اس لئے یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ بیعت ثابت ہے قرآن کریم کی یہ آیت: ''**ان الذین یبایعونک إنما یبایعون الله**'' صراحۃً بیعت کو ثابت کرتی ہے، اسی طرح ''**یبایعونک علی ان لا یشرکن بالله شیئاً ولا یسرقن و لایزنین الآیة**'' بیعت میں عموماً جو الفاظ کہلائے جاتے ہیں ان کے تذکرہ پر یہ آیت مشتمل ہے، نیز متعدد روایات میں بیعت کا تذکرہ ہے کہیں تو بیعت علی الاسلام والایمان ہے، کہیں بیعت علی الجہاد ہے۔ الغرض بیعت کا انکار گویا کہ نصوص کا انکار ہے، سنت کا انکار ہے، ایک متوارث عمل کا انکار ہے، یہاں پر البتہ ایک بات قابل وضاحت ضروری ہے کہ جہاں تک بیعت کے ثبوت یا سنیت کی بات ہے اس سے انکار تو مشکل امر ہے، لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ کیا بیعت ضروری ہے؟ تو اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ جو اس صدی کے تصوف کے مجدد تھے ان کا ایک ملفوظ اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے کافی ہے، فرماتے تھے کہ مقصود بیعت نہیں بلکہ اصلاح وتزکیۂ نفس ہے، اور اصلاح وتزکیۂ نفس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ ہر شخص کو اس کی ضرورت تسلیم ہے، لہٰذا

اگر بغیر بیعت کے تزکیۂ نفس ہو جائے تو بہتر ہے، یہ دوسری بات ہے کہ عموماً بغیر کسی کھونٹے سے اپنے کو باندھے اصلاح ہوتی نہیں جو اس طریق سے واقف نہیں اس کی مثال نابینا کی ہے اور کوئی نابینا اگر کسی منزل تک وصول چاہتا ہو تو بینا کے ہاتھ میں ہاتھ دینا ہوگا بغیر دستگیری کے مقصود تک رسائی ممکن نہیں اور صرف ہاتھ ہی نہیں دینا ہوگا بلکہ بینا کی ہدایات کے مطابق چلنا بھی ہوگا تب جا کر کہیں رسائی ممکن ہوگی اس کے بغیر نہ معلوم کس وادی اور کس کھاڑی میں گر کر وہ ہلاک وتباہ ہو جائے۔

بیعت کی حقیقت

بیعت واجب اور فرض نہیں ہے، البتہ اصلاح نفس فرض ہے، بیعت صرف سنت ہے لیکن عموماً دیکھا یہی گیا ہے کہ بغیر کسی اللہ والے کے دامن سے ہم رشتہ ہوئے اصلاح نہیں ہو پاتی۔ اور یہ مقولہ بھی بہت مشہور ہے ''جس کا کوئی پیر نہیں ہوتا اس کا پیر شیطان بن جاتا ہے'' اور انگلی پکڑ کر ایسے راستہ پر چلانا شروع کرتا ہے کہ اپنے مرید کو جہنم رسید کر کے ہی دم لیتا ہے۔ اسی لئے اپنے بڑوں کے بڑوں نے بھی اس چیز کو خوب سمجھا اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی جیسے اکابرین امت اساطین ملت علوم وفنون کے بحر ذخار، فقہ وفتاوی کے بے تاج بادشاہ علم وہنر کے تاج محل حدیث وتفسیر کے قطب مینار نے بھی

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمہ سے ہم رشتہ ہونا ضروری سمجھا، بیعت ہوئے، روحانیت سے مستفیض ہوئے، سلاسل اربعہ کے فیوض و برکات کے حامل بنے اور علوم ظاہرہ کے ساتھ علوم باطنہ کے جامع بنے۔

بیعت میں ایک نفسیاتی حقیقت پوشیدہ ہے جب انسان اپنے ماضی کا تنقیدی نگاہ سے جائزہ لیتا ہے تو بہت سی باتیں اس کو اخلاق و مذہب کے خلاف نظر آتی ہیں، پھر اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کا ضمیر اس کو ملامت کرنے لگتا ہے اور اپنے اندر ایک خاص قسم کا اضطراب محسوس کرنے لگتا ہے۔ پھر اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ دل ہی دل میں اپنے گناہوں پر نادم ہونے لگتا ہے، لیکن اس کے باوجود اس کو طمانینت حاصل نہیں ہوتی بلکہ قلب میں ایک اضطراب سا محسوس کرتا ہے، ماضی کے گناہوں کا تصور اس کے لئے سوہان روح بن جاتی ہے، دل ہی دل میں گناہوں سے کی ہوئی توبہ اس کے اس تصور پر غالب نہیں آ پاتی۔ لیکن جب وہ کسی نیک طینت پاک باطن صاحب دل اللہ والے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اپنے ماضی کے گناہوں سے توبہ کرتا ہے اور آئندہ ان گناہوں کو نہ کرنے کا عہد کرتا ہے اور جب دل کی زبان سے یہ سنتا ہے: "**التائب من الذنب کمن لا ذنب له**"۔ تو اس سے اس کے دل کے زخموں پر ایک طرح کا پھایہ سا لگ جاتا ہے اور ماضی کے گناہوں کا تصور جو کبھی اس کے لئے سوہان روح بنا ہوا تھا اس سے اس کا ذہن ہٹ جاتا ہے، پھر وہ نئے عزم و حوصلہ کے ساتھ اپنی برباد زندگی کو سنوارنے میں مصروف ہو جاتا ہے، یہ وہ حقیقت ہے جس کا تعلق تجربہ سے

ہے۔ لاکھوں انسانوں نے اس حقیقت کو اپنا کر شریعت وطریقت کی راہ سے حقیقت تک اپنے کو پہونچایا اور پھر وہ ایک دن شریعت، طریقت، حقیقت کا مجموعہ بن گئے۔

نفس کا علاج

حضرات صوفیاء کا یہ ماننا ہے کہ برائی کا سد باب نفس کو کچلنے اور مارنے سے نہیں ہوتا بلکہ برائی کو دور کرنے کا سب سے مؤثر طریقہ یہ ہے کہ خفتہ دل کو بیدار کیا جائے، جب قلب بیدار ہو جائے گا اور ذکر اللہ کے ذریعہ وہ توانا اور طاقتور ہو جائے گا تو نفس کے تقاضے خود بخود دب جائیں گے اور اس کی بہیمی قوت خود کمزور پڑ جائے گی۔

اسی لئے خانقاہوں میں اللہ والے ذکر کی تلقین کرتے ہیں اور ذکر کی مداومت پر زور دیتے ہیں اور بالتدریج ذکر کے مختلف انواع واقسام سے گزارتے ہیں تا کہ قلب بیدار ہو جائے، طاقتور ہو جائے، قوت ملکوتی مضبوط ہو جائے تا کہ نفس کے تقاضوں کو اور قوت بہیمی کو دبایا جا سکے۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خانقاہوں میں گردن ہلانے سے کیا فائدہ ان کو یہ حقیقت سمجھ لینی چاہئے کہ یہ دل کو تناور اور طاقتور بنانے کا ایک اہم ذریعہ ہے، یہ صرف چُنیا بیگم کی پُڑیا نہیں ہے۔

نفس کے علاج کا ایک دوسرا طریقہ

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر انسان میں جہاں کچھ برائیاں ہوتی ہیں اسی کے ساتھ کچھ اچھائیاں بھی ضرور ہوتی ہیں، کتنا بھی گیا گزرا انسان ہو وہ خوبیوں سے بالکلیہ خالی نہیں ہوتا بلکہ کچھ نہ کچھ خوبی ہر ایک میں ضرور ہوتی ہے۔

حضرات صوفیاء کرام کا ماننا ہے کہ برائیوں کو دور کرنے کے لئے جہاں قلب کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے اور یہ بیداری ذکر اللہ کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے اسی کے ساتھ اس کی اچھائیوں کو اچھالنے اور بار بار تذکرہ میں لانے کی ضرورت ہے جس کا اثر نفسیاتی طور پر اس کی طبیعت پر ایسا مرتب ہوگا کہ وہ از خود برائیوں سے گریز کرنے لگے گا اور ان چند اچھائیوں کے طفیل جس کا ذکر بار بار کیا جا رہا ہوگا دوسرے اچھائیوں کو اپنے اندر پیدا کرنے کی شروعات کردے گا۔

حضرات صوفیاء کا بیان کردہ یہ وہ نسخہ کیمیاء ہے جس کا تعلق تجربہ سے ہے یہ ہر مُربیّ تربیت کی لائن سے اس کو اپنا کر مُربیّ کو مُربیّ بنا سکتا ہے۔

ولی کی چار علامتیں ہیں

کسی چیز کی علامت اس لئے ہوتی ہے تا کہ اس کے ذریعہ ہر ایک کے لئے

شناخت آسان ہو جائے اگر علامت نہ ہوتو شناخت میں دشواری ہوتی ہے۔

حضرت ابوالعباس بن عطاء اونچے بزرگوں میں ہیں، چوبیس گھنٹہ میں صرف دو گھنٹہ سوتے تھے باقی پورا وقت عبادت میں لگاتے تھے۔قرآن کریم سے بے حد تعلق تھا، روزانہ ایک ختم کیا کرتے تھے اور رمضان کے مہینہ میں رات دن میں تین ختم کیا کرتے تھے۔آپ فرماتے تھے کہ ولی کی چار علامتیں ہیں:

(۱) اس کے اور اللہ کے درمیان جو راز ہائے سر بستہ ہوں اس کو کسی پر ظاہر نہ کرے۔

(۲) اپنے اعضاء و جوارح کی پوری حفاظت کرے کوئی معصیت نہ ہونے پائے۔

(۳) اپنے اعضاء و جوارح سے کسی کو تکلیف نہ پہونچائے اس پر پوری نظر رکھے۔

(۴) لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق مدارات کرے، سختی وترشی سے پیش نہ آئے۔

ہر درخواست کرنے والے کو بیعت کرنے کی وجہ

ہمارے اکابرین واسلاف کا عموماً معمول یہ تھا کہ کوئی بیعت کی درخواست کرتا تو اس کو ٹال دیتے، کبھی استخارہ کا حکم دیتے، کبھی کسی دوسرے بزرگ کے یہاں جانے کا حکم دیتے، یعنی درخواست کرتے ہی فوراً بیعت نہیں کرتے تھے، لیکن حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمہ سے اگر کوئی بیعت کی درخواست کرتا تو آپ ٹال مٹول نہ فرماتے بلکہ فوراً بیعت فرمالیتے تھے اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے تھے کہ میں بیعت کی

درخواست کرنے والوں کو بیعت سے انکار اس لئے نہیں کرتا کہ کہیں وہ کسی بدعتی پیر کے جال میں نہ پھنس جائے اور کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پھر مجھ سے مواخذہ فرمائیں کہ تمہارے پاس میرا بندہ بیعت کے لئے آیا اور تم نے اس کو بیعت نہیں کیا جس کی وجہ سے وہ غلط ہاتھوں میں جا کر پھنس گیا تو میں اس کا کیا جواب دوں گا۔

تزکیہ کے لئے شیخ کا ہونا کیوں ضروری ہے؟

تزکیہ کے لئے شیخ کا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ عادت اللہ یہی ہے کہ یہ کام بغیر کسی شیخ کامل کی رہبری کے ممکن نہیں ہے، چونکہ طریقت کی راہ بہت لطیف و دقیق ہے، اور اس میں نشیب و فراز بہت ہیں۔

جب کوئی بندہ اللہ کے قرب کا متلاشی ہوتا ہے اور انابت الی اللہ کی توفیق سے سرفراز ہوتا ہے تو اس کے گرد و پیش کئی محاذ کھل جاتے ہیں۔ دنیا سے جب بے رغبتی پیدا شروع ہوتی ہے تو دنیا اپنی تمام تر شادابیوں اور رعنائیوں کے ساتھ اس کو اپنانے کی فکر میں لگ جاتی ہے۔ نفس کے تقاضے جب دبنے شروع ہوتے ہیں تو نفس اپنے دام فریب میں پھنسانے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔ شیطان جب بندہ کو اپنے دامن فریب سے نکلتا ہوا دیکھتا ہے تو اپنے دامن فریب میں پھنسانے کی تدابیر میں لگ جاتا ہے۔ بیوی بال بچے، دوست و احباب جب تبدیل ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو اپنے

گرداب میں الجھانے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔

الغرض گردوپیش اندروباہر ایسا ماحول ابتداءً بنتا ہے کہ بعض لوگ اس سے تنگ آکر اپنی پرانی زندگی کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔اور بعض لوگ ہمت کرکے آگے بڑھتے ہیں تو ان کو آگے بڑھانے اور چلانے والے کے ساتھ ان کو سہارا دینے والے کی ضرورت پڑتی ہے۔ایسے وقت اور حالات میں ایسے رہبر کی ضرورت پڑتی ہے جو راستہ کے نشیب وفراز سے واقف ہواور دوسروں کو منزل سے ہمکنار کرسکتا ہواور یہ کام وہی کرسکتا ہے جوراستہ دیکھے ہوئے ہو۔

بیعت کے اقسام

بیعت کی تین قسمیں ہیں (۱) بیعت توبہ اس میں گناہ چھوڑنے پر بیعت لی جاتی ہے، مثلاً میں نماز نہیں چھوڑوں گا، قتل نہیں کروں گا، زنا نہیں کروں گا، شراب نہیں پیوں گا، سود نہیں لوں گا، جواء نہیں کھیلوں گا، چوری نہیں کروں گا، جھوٹ نہیں بولوں گا وغیرہ۔

(۲) بیعت تبرک، یعنی صرف برکت کے لئے سالکین کے سلسلہ میں داخل ہونا، تاکہ سلسلہ کی برکتیں حاصل ہوتی رہیں۔

(۳) بیعت تأکد، یعنی احکام خداوندی کی تعمیل کا پختہ ارادہ کرنا اور ظاہری

وباطنی گناہوں کے چھوڑنے کا عزم مصمم کرنا۔

عموماً حضرات مشائخ کے دست مبارکہ پر جو لوگ بیعت ہوتے ہیں ان کی بیعت تیسری قسم میں داخل ہے۔

چونکہ حضرات مشائخ کے یہاں بیعت کے جو الفاظ رائج ہیں جن کو بیعت کے وقت مرید سے کہلوایا جاتا ہے، اس میں یہ الفاظ بھی ہوتے ہیں کہ میں عہد کرتا ہوں کہ پانچوں نمازیں پابندی سے ادا کروں گا، رمضان کے روزے رکھوں گا، اگر اللہ نے مال دیا تو زکوۃ ادا کروں گا، اگر اللہ نے طاقت دی تو حج کروں گا اور سارے اوامر کا امتثال کروں گا۔

اسی طرح یہ بھی عہد کرایا جاتا ہے کہ میں نماز نہیں چھوڑوں گا، قتل نہیں کروں گا، زنا نہیں کروں گا، شراب نہیں پیوں گا، سود نہیں کھاؤں گا، جوا نہیں کھیلوں گا، چوری نہیں کروں گا وغیرہ۔

اجازت وخلافت کے اقسام

اجازت کی سات قسمیں ہیں:

۱-اصالہ، شیخ کا بامر الٰہی یعنی باشارہ غیبی کسی کو اجازت دینا اس کو خلافت الٰہی بھی کہا جاتا ہے۔

۲-اجازۃ، شیخ اپنی مرضی سے کسی کو مستحق اجازت سمجھ کر اجازت وخلافت سے سرفراز کرے جیسا کہ مشائخ کے درمیان یہ رائج ہے، اس کا نام اجازت رضائی بھی ہے۔

۳-اجماعیہ، شیخ کے انتقال کے بعد شیخ کے متوسلین ومریدین شیخ کے ورثاء میں سے کسی کو یا مریدین میں سے کسی کو اجازت وخلافت سے نوازیں اس کو خلافت اجماعیہ کہا جاتا ہے اور اس کو اجازت قبر رائی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن حضرات مشائخ کے نزدیک یہ اجازت معتبر نہیں ہے۔

۴-وارثیہ۔ شیخ نے ایسا وارث چھوڑا ہو جو بالکل نااہل ونالائق ہو، طریقت کا مخالف ہو، لیکن شیخ کے انتقال کے بعد شیخ کے متوسلین ومریدین اس کو شیخ کا خلیفہ اور جانشین بنادیں تو ایسی اجازت بھی معتبر نہیں ہے۔

۵-حکمیہ۔ شیخ کا انتقال ہو جائے اور حاکم وقت متوسلین ومریدین میں سے کسی کو شیخ کا جانشین بنادے تو ایسی جانشینی معتبر ہے۔ یہ **أطیعوا اللہ و أطیعوا الرسول و أولی الأمر منکم** کے تحت داخل ہے۔

۶-تکلفیہ، اجازت تکلفیہ اس اجازت کو کہتے ہیں کہ متوسلین وخواص کی سفارش سے کوئی مجاز بنا ہوا اور شیخ نے اجازت دی ہو۔

۷-اویسیہ۔ اجازت اویسیہ یہ ہے کہ اویسی سلسلہ کے کسی بزرگ نے روحانی تربیت کے ذریعہ اجازت سے سرفراز کیا ہو۔

نسبتِ اویسیہ کی حقیقت اور وضاحت

بزرگوں کے یہاں نسبت کی ایک قسم نسبتِ اویسیہ بھی ہے، سالک کو چاہئے کہ اس نسبت کے سلسلے میں بھی ضروری معلومات اس کے ذہن میں رہے، تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی یا کج فہمی نہ پیدا ہو۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ جن کی روحانی صلاحیت واستعداد بہت قوی ومضبوط ہوتی ہے، ان کو کبھی کسی نبی یا کسی ولی کی روح سے فیض پہنچتا ہے، ایسے لوگوں کو اویسی کہتے ہیں، کیونکہ حضرت اویس قرنی نے بھی حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ مبارکہ اٹھائے بغیر آپ سے فیض حاصل کیا۔

اور اپنے اکابرین میں جس طرح حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی بیعت تو حضرت شاہ عبد الحق رودولوی کے پوتے سے ہوئے، لیکن روحانی طور پر تربیت انھوں نے حضرت شیخ عبد الحق رودولوی سے حاصل کی۔

حضرت شیخ عطار فرماتے ہیں کہ اویسی وہ ہے جس کو ظاہر میں کسی پیر کی ضرورت نہ ہو، کیونکہ ایسے شخص کی تربیت براہِ راست حضرت نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گہوارہ سے ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت اویس قرنی کی ہوئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے بھی ''شفاء العلیل'' میں

نسبتِ اویسیہ کو صحیح اور قوی قرار دیا ہے اور اپنی ایک دوسری کتاب میں فرماتے ہیں:
جس کو نسبت اویسیہ حاصل ہوتی ہے، اس کو ان ارواح سے جن سے فیض حاصل ہوا ہے، محبت اور عشق ہوجاتا ہے اور یہ اثر ان کے تمام احوال میں سرایت کرجاتا ہے، جس طرح پانی کسی درخت کی جڑ میں ڈالنے سے اس کی تازگی ہر شاخ اور برگ وثمر میں سرایت کرجاتی ہے، اسی وجہ سے مشائخ کی قبروں کی زیارت پر مداومت اور ان کے ایصالِ ثواب کو مستحسن سمجھا جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی یہ بات بہت دقیق اور اہم اور قابلِ اعتناء وفہم ہے، اس سے بہت سے شکوک وشبہات کا ازالہ ہوجاتا ہے۔

بیعت کا طریقہ

حضرات مشائخ سلوک کے بیعت کا طریقہ مختلف رہا ہے، قدر مشترک چند امور وہ ہیں جو سب کے یہاں پائے جاتے ہیں۔

خطبہ مسنونہ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره ونعوذ بالله من شرور

انفسنا و من سيآت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادی له و نشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له و نشهد ان سیدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله صلی الله علیه وعلی اٰله واصحابه و ذریاته و بارک وسلم تسلیما کثیراً کثیراً، أما بعد!

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم. یا أیها الذین اٰمنوا اتقوا الله وکونوا مع الصادقین و قال تعالیٰ یا أیها الذین اٰمنوا اتقوا الله و ابتغوا الیه الوسیلة و جاهدوا فی سبیله لعلکم تفلحون و قال تعالیٰ ان الذین یبایعونک انما یبایعون الله ید الله فوق ایدیهم فمن نکث فانما ینکث علی نفسه و من اوفی بما عاهد علیه الله فسیؤتیه اجرا عظیما صدق الله العلی العظیم ۔ پڑھنے کے بعد مسترشد کے ہاتھ کو مرشد اپنے ہاتھ میں لے لے جس طرح دونوں ہاتھ سے مصافحہ کیا جاتا ہے۔اس کے بعد درج ذیل کلمات مرشد کہلائے اور مسترشد ان کلمات کو دہرائے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسو اللہ ﷺ ۔نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی ورسول ہیں۔ایمان لاتا ہوں میں اللہ پر،اس کی ساری کتابوں پر،اس کے سارے فرشتوں پر،اس کے سارے نبی ورسول پر،اورآخرت کے دن پر،اور تقدیر پر، بھلا ہو یا برا سب اسی کی طرف سے ہے۔

توبہ کرتا ہوں میں شرک سے،کفر سے، چوری کرنے سے، زنا کرنے سے، قتل کرنے سے،شراب پینے سے، پرایا مال ناحق کھانے سے،غیبت وچغلی سے،کسی

پر بہتان باندھنے سے اور ہر گناہ سے، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

اور عہد کرتا ہوں میں پانچوں نمازیں پابندی سے ادا کروں گا، رمضان کے روزے رکھوں گا، اگر اللہ نے مال دیا تو زکوۃ ادا کروں گا، اگر اللہ نے استطاعت دی تو حج کروں گا اور جملہ اوامر کا امتثال کروں گا اور جملہ نواہی سے اجتناب کروں گا اور کوئی گناہ عمداً نہیں کروں گا، اگر ہو جائے گا تو فوراً توبہ کروں گا۔

عہد کرتا ہوں میں اور توبہ کرتا ہوں میں فلاں صاحب کے ہاتھ پر اور داخل ہوتا ہوں میں چاروں سلسلوں میں۔ چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، یا اللہ میری توبہ قبول فرما اور مجھے اپنے سچے بندوں میں شامل فرما، مجھے سلاسل اربعہ کے بزرگوں کے فیوض و برکات سے مالا مال فرما، دنیا میں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما اور مرنے کے بعد اپنے نیک بندوں کے ساتھ میرا حشر فرما۔

اشهد ان لا الـه الا اللـه و اشهد ان محمدا عبده ورسوله رضيت بالله ربا و بالاسلام دينا و بمحمد ﷺ نبيا و رسولا ۔اس کے بعد مرشد اخلاص و استقامت کی دعا کرے اور مسترشد امین کہے۔

اس کے بعد مرید کے حسب حال معمولات بتلائے اور پابندی کی تلقین کرے چونکہ معمولات کی پابندی ہی ترقی کا زینہ ہے۔

اگر مرید ہونے والے ایک سے زائد ہوں تو واحد (میں) کی جگہ ہم (جمع) کا صیغہ استعمال کرنا چاہئے اور اگر مرید ہونے والوں کی تعداد بہت ہو تو کوئی کپڑا یا رسی

پھیلا دے سب لوگ اس کپڑے کو پکڑ لیں اور مرشد بھی ایک کونہ پکڑ لے اور اگر عورتوں کو بیعت کرنا ہوتو پردہ ضروری ہے اور کپڑے ہی کے ذریعہ بیعت کرنا ضروری ہے، عورت کے ہاتھ کو مرشد اپنے ہاتھ میں نہ لے یہ جائز نہیں۔

پیر و مرشد کا انتخاب

پیر و مرشد کا انتخاب بھی انتہائی نازک و اہم مرحلہ ہے اس میں عجلت اور جلد بازی سے کام نہ لے، حضرات مشائخ نے کچھ علامتیں بتلائی ہیں اس کی روشنی میں انتخاب کرلے مثلاً وہ صالح متقی ہو، دین وشریعت کا ضروری علم رکھتا ہو، اعمال کا پابند ہو، اخلاق کا صاف ستھرا ہو، خوف خدا اس میں ہو، مشائخ طریقت سے فیوض و برکات کا اکتساب کیے ہوئے ہو، اس کے پاس بیٹھ کر آخرت کی فکر و دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہو۔ لیکن ان سب امور سے اہم اعتقاد و عقیدت ہے، اگر ان سارے اوصاف کے ہوتے ہوئے بھی اس سے عقیدت نہ ہو تو فیض نہیں پہونچے گا۔ اکتساب فیض کے لئے شرائط اربعہ کو بہر حال ملحوظ رکھنا ہوگا۔

استفادہ کے لیے ہیں چار شرطیں اے حبیب ☆ اعتقاد و اعتماد و اتباع و اطلاع، عقیدت، محبت، اعتماد و وثوق، بتلائی ہوئی ہدایات کی اتباع و پیروی اور اپنے احوال کی آگاہی، فیوض و برکات کے حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ عقیدت اگر کسی شجر و حجر سے ہو جاتی ہے تو انسان نفع و نقصان کو اس سے وابستہ کر دیتا ہے حالانکہ

نافع وضار صرف اللہ کی ذات ہے، لیکن اپنی عقیدت کے اعتبار سے انتساب کے ذریعہ اپنے دل کی تسکین کرتا ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا ملفوظ

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ فرمایا کرتے تھے، بھائی ہماری مثال تو نل جیسی ہے، پانی دراصل آتا ہے مخزن سے لیکن دکھائی دیتا ہے کہ نل سے آرہا ہے، اسی طرح مبدأ فیاض تو صرف ذات باری ہے لیکن ہم لوگ فیض رسانی کا ذریعہ ہیں، نیز جس طرح صاف پانی حاصل کرنے کے لئے نل کو صاف رکھنا ضروری ہے اگر کسی نے نل میں مٹی ڈال دی تو اگرچہ مخزن سے پانی صاف آئے گا لیکن نل میں مٹی پڑنے کی وجہ سے پانی گدلا باہر نکلے گا، اسی طرح مرشد و پیر کی طبیعت کو بھی تکدر سے بچانا چاہئے۔ بقول حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ''میرے پیارو! ان اللہ والوں سے ڈرتے رہیو ان کی سیدھی تو سیدھی ہوتی ہی ہے ان کی الٹی بھی سیدھی ہوتی ہے''۔ اس خادم نے اپنے کانوں سے یہ جملہ سنا ہے اس لئے روابط کی استوارگی ضروری ہے۔

حقوق وآداب مرشد

جس سے اصلاح وارشاد کا تعلق قائم کرلیا اس کے حقوق وآداب کی رعایت

بھی از بس ضروری ہے بقول حضرات مشائخ ''الطریق کلہا آداب'' پوری طریقت ادب سے بھری پڑی ہے'' باادب بانصیب بےادب بےنصیب'' جس کو ملا جو کچھ ملا ادب ہی کے راستے سے ملا، جس نے جتنا ادب وتأدب اپنے اندر پیدا کرلیا اس نے اسی اعتبار سے اپنے دامن کو فیوض و برکات سے بھرلیا اور سارے آداب کا حاصل صرف یہ ہے کہ اپنی ذات سے ہر ممکن راحت رسانی کی فکر ہو اور ہر وہ چیز جو باعث اذیت ہو اس سے مکمل پرہیز کیا جائے اپنی اداؤں سے وفاؤں سے اپنے مرشد کے دل کو جیتنے کی فکر و کوشش کرے اور جس نے دل جیت لیا سب کچھ پا گیا۔ اور جب تک رہے مخلص بن کر رہے یعنی جس کا ہو اسی کا بن کر رہے زید و بکر پر نظر نہ ڈالے۔

اخلاص کا مطلب

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ سے یہی سوال کیا تھا کہ مخلص کس کو کہتے ہیں، حضرت محدثؒ نے فرمایا حضرت جس کا ہو اسی کا ہو کر رہ جائے۔

یمیناً وشمالاً نگاہ ڈالنا زید و بکر کو دیکھنا شرک مطلب ہے، یہاں ضرورت توحید مطلب کی ہے تب مطلوب تک رسائی ہوسکتی ہے۔ مزاج منشاء، ذوق وطبیعت کی آگاہی بھی ضروری ہے تاکہ ان راستوں سے مرشد کا قرب حاصل کرسکے۔

بہت زیادہ قربت کبھی بہت زیادہ دوری پیدا کردیتی ہے اور بہت زیادہ

دوری کبھی زبردست خلیج پیدا کر دیتی ہے، لہٰذا بین بین قریب بین بین بعید کی راہ اعدل الطریق ہے'' زرغباً تزدد حباً''، بھی پیش نظر رہے۔''خذ ما صفا دع ما کدر'' معمول بہا ہو اس طرح انشاء اللہ اکتساب فیض کی راہ میں کوئی چٹان حائل نہ ہوگی۔

الحاصل تعلق ہو اور رکھے تملق نہ ہو کسی کے لئے روڑا نہ بنے ورنہ عموماً اہل طریق طریق کے روڑوں کو اٹھا کر کنارہ کر دیتے ہیں پھر سوائے روندے جانے کے اور کوئی مصرف نہیں رہ جاتا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی فہم سقیم سے حفاظت فرمائے عقل سلیم عطا فرمائے۔ قلب رب علیم سے لرزنے والا عطا فرمائے۔

ادب وتأدب اور سالکین

ادب وتأدب سالکین راہ طریقت کے لئے ایسی مشعل راہ ہے جس کے بغیر اس راہ میں کوئی چل نہیں سکتا۔ جس نے بھی کچھ پایا ادب وتأدب ہی کی راہ سے پایا جس کا فقدان بکثرت آج کل نظر آتا ہے۔

طریق العشق کلها اداب

ادبوا النفس ایها الاصحاب

یوں تو پوری زندگی ادب سے عبارت ہے، اللہ کا ادب، رسول کا ادب، ماں باپ کا ادب، استاد کا ادب، علم کا ادب، ذرائع علم کا ادب۔

لیکن راہ طریقت میں جو جتنا مؤدب رہا اس نے اسی کے بقدر حصہ پایا۔

صاحب عوارف المعارف فرماتے ہیں ادب نام ہے ظاہر و باطن کی آراستگی کا۔

عبداللہ ابن مبارک فرمایا کرتے تھے کہ ہم علم کثیر کے اتنے محتاج نہیں جتنا ادب کثیر کے محتاج ہیں۔

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ عارف و سالک کے لئے ادب اتنا ہی ضروری ہے جتنا مبتدی کے لئے توبہ۔

حضرت ابوعلی دقاق فرماتے تھے کہ بندہ طاعت کے ذریعہ جنت تک پہونچ جاتا ہے اور طاعت میں ادب کے ذریعہ اللہ تک پہونچ جاتا ہے۔ حضرت جلال الدین بصری فرمایا کرتے تھے ایمان کے لئے توحید ضروری ہے جس میں توحید نہیں ایمان نہیں اور توحید کے لئے شریعت ضروری ہے، لہٰذا جہاں شریعت نہیں توحید نہیں، اور شریعت کے لئے ادب ضروری ہے، لہٰذا جس میں ادب نہیں اس میں نہ شریعت ہے نہ توحید ہے نہ ایمان ہے۔

عبداللہ ابن مبارک فرماتے تھے جو آداب سے لاپرواہی برتتا ہے وہ سنتوں سے محروم کردیا جاتا ہے اور جو سنن سے غفلت برتتا ہے وہ واجبات و فرائض سے محروم کردیا جاتا ہے اور جو فرائض سے غفلت برتتا ہے اس کا ایمان خطرہ میں ہے۔

حضرت سری سقطی فرماتے ہیں، میں رات میں ایک مرتبہ درود پاک پڑھنے میں مصروف تھا اور میرے پاؤں قبلہ کی طرف دراز تھے، ایک شخص نے بلند آواز سے کہا سری کیا اس طرح پاؤں پھیلا کر بادشاہ کی طرف بیٹھ سکتے ہو؟ فوراً مجھ کو تنبہ ہوگیا اور میں نے پاؤں سکیڑ لیا اور توبہ واستغفار کیا۔

حضرت جنید بغدادی فرمایا کرتے تھے اس کے بعد حضرت سری سقطی ساٹھ سال زندہ رہے لیکن کبھی پاؤں دراز نہیں کیا نہ دن میں نہ رات میں۔

ادب وتأدب کی برکات

بزرگوں کا مقولہ ہے باادب بانصیب بےادب بےنصیب۔ ادب وتأدب کی راہ سے فیضیاب ہونے والوں کی ایک طویل فہرست ہے ان میں سے چند واقعات ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) شمس الائمہ حلوانی فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ میرے پاس علم آیا ہے وہ ادب اور عظمت ہی کے راستے سے آیا ہے؛ کیونکہ کبھی بھی ایک کاغذ بھی میں نے بغیر طہارت اور وضو کے ہاتھ نہیں لگایا اور ہمیشہ میں نے ذرائعِ علم کا ادب واحترام ملحوظ رکھا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ علم سے حظ وافر مجھ کو حاصل ہوا۔

(۲) حضرت بشر حافی جو اولیاء کبار میں سے ہیں، ایک مرتبہ راستہ چلتے ہوئے راستہ میں زمین پر گرا ہوا کاغذ کا ایک ٹکڑا انھیں ملا، جس پر اللہ کا نام لکھا ہوا تھا، آپ نے اس کو بہت ادب واحترام کے ساتھ اٹھایا اور صاف ستھرا کر کے، خوش بو لگا کر، کسی محفوظ جگہ پر رکھنے کی کوشش کی، لیکن جب کوئی جگہ نہیں مل سکی تو اس کو نگل گئے، اس کا ثمرہ ان کو اللہ پاک کی طرف سے یہ ملا کہ خلقِ خدا کی زبان پر ان کا نام

عزت کے ساتھ جاری کر دیا، آج بھی دنیا والے ان کا نام انتہائی ادب واحترام کے ساتھ لیتے ہیں۔

(۳) خواجہ ابواسحاق غاذرونی کپڑے کی بنائی کا کام کرتے تھے، ان کا کھانا جو گھر سے آتا تھا، اس میں سے چند روٹیاں بچا کر طاق پر رکھ دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ تین اللہ والے ان کے کام کی جگہ کے پاس سے گزرے، ان کی نظر ان اللہ والوں پر پڑ گئی وہ طاق میں رکھی ہوئی روٹیاں دونوں ہاتھوں میں لے کر ادب کے ساتھ ان درویشوں کی راہ میں کھڑے ہو گئے، جب وہ ان کے پاس پہنچے تو انھوں نے سر جھکا کر انتہائی ادب واحترام کے لب ولہجہ میں دونوں ہاتھوں سے روٹیوں کو پیش کرتے ہوئے یہ عرض کیا، حضور والا! کھانا حاضر ہے، تناول فرمائیں، ان درویشوں کو ان کا یہ ادب بہت پسند آیا اور ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ لڑکا بہت باادب ہے، اس کے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو کچھ دینا چاہئے۔ چنانچہ ان میں سے ایک اللہ والے نے ان کے لیے دین داری کی دعا مانگی کہ یا اللہ! اس کو دین دار بنا دے، دوسرے اللہ والے نے دنیا کی تمام نعمتوں کے ملنے کی دعا مانگی، تیسرے اللہ والے نے ان کو استقامت کی دعا دی کہ اللہ تم کو دین ودنیا کی نعمتوں میں استقامت عطا فرمائے۔

چنانچہ حضرت خواجہ ابواسحاق غاذرونی فرمایا کرتے تھے کہ آج جو شہرت و عزت اور باطنی دولت میرے پاس موجود ہے یہ سب انھیں درویشوں کی دعا کی برکت ہے اور اس ادب کا ثمرہ ہے، جس کے ساتھ میں ان کے سامنے پیش آیا۔

(۴) حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت شمس العارفین حج کے لیے تشریف لے گئے اور حج سے فراغت کے بعد مدینہ طیبہ حاضری کا ارادہ فرمایا، لیکن معاً یہ خیال پیدا ہوا کہ حج کے طفیل میں روضۂ اقدس کی حاضری اور زیارت بے ادبی ہے، چنانچہ اس کے بعد گھر واپس آ گئے اور ایک رات گھر پر قیام فرمایا اور دوسرے دن مستقل روضۂ اقدس کی زیارت کی نیت سے سفر کیا، جب روضۂ اقدس پر پہنچ گئے تو پہنچ کر "**الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ!**" کے ساتھ سلام پیش کیا تو روضۂ اقدس سے جواب آیا: "**وعلیک السلام یا شمس العارفین!**"۔

حالانکہ اس سے پہلے یہ خطاب آپ کو کسی نے نہیں دیا، سب سے پہلے یہ خطاب آپ کو روضۂ اقدس سے ملا اور پھر پوری دنیا میں اسی خطاب کے ساتھ مشہور ہوئے۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ تمام اعمال کا مدار خلوص نیت اور ادب پر ہے، حضرت شمس العارفین کو یہ عظیم خطاب ملا، یہ ان کے روضۂ اقدس کی حاضری کے سلسلے میں ادب کا ثمرہ تھا۔

(۵) حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا واقعہ ہے کہ آپ قلم سے کچھ تحریر فرما رہے تھے کہ اسی دوران قضائے حاجت کے لیے بیت الخلاء جانے کی ضرورت پیش آئی، بیت الخلاء میں جانے کے بعد آپ کی نظر انگوٹھے پر پڑی، جس کے ناخن پر روشنائی کا ایک نقطہ لگا ہوا تھا جو کتابت کے دوران قلم کی درستگی کے لیے عموماً انگوٹھے کا سہارا لینے کے وقت انگوٹھے کے ناخن میں لگ جایا کرتی ہے، آپ نے جب روشنائی

کو انگوٹھے پر دیکھا تو بیت الخلاء سے فوراً باہر نکل آئے، اور اس کو دھو کر صاف کیا اور اس کے بعد بیت الخلاء تشریف لے گئے، فارغ ہونے کے بعد حاضرین سے آپ نے فرمایا کہ اس سیاہی کے نقطہ کی علم کے ساتھ ایک نسبت ہے، اس لیے اس کے ساتھ بیت الخلاء میں جانا بے ادبی معلوم ہوئی، اس لیے اس کو دیکھنے کے بعد بیت الخلا سے نکل آیا اور اس کو دھو کر دوبارہ واپس گیا۔

(٦) حضرت مولانا قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ اکثر کلیر شریف حضرت خواجہ علاؤ الدین صابر کے مزار پر اکتسابِ فیض روحانی کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے، لیکن اس حاضری میں آپ کا معمول یہ تھا کہ مزار سے بہت پہلے پاؤں سے جوتے نکال کر ہاتھ میں لے لیا کرتے تھے اور کمالِ ادب و محبت میں ننگے پاؤں مزار پر حاضری دیا کرتے تھے۔

یہ ہمارے اسلاف و بزرگوں کے ادب وتأدب کے چند واقعات تھے، جن کو میں نے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیا۔ اس طرح کے ہزاروں ہزار واقعات سے کتابوں کے صفحات لبریز ہیں، جن کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے، تاکہ زندگی میں ادب وتأدب پیدا ہو سکے اور اس کی برکتوں سے مالا مال ہو سکیں۔

اللہ والوں کا دل دکھانے سے بچنا چاہیے

اللہ والوں کا دل چھوئی موئی پھول کی طرح ہوتا ہے، چونکہ ذکر اللہ کے ذریعہ ان

کا قلب بہت لطیف اور حساس بن جاتا ہے اور ان کے قلبی ادراک میں بہت تیزی پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے وہ مشاہدات و مرئیات کا ادراک بہت جلدی کر لیتے ہیں اور ناگوار قلب وطبع چیزوں کا اثر ان کے دل پر بہت جلدی ہوتا ہے، اس لیے ہر سالک ومسترشد کو اس کا خیال ودھیان رکھنا بہت ضروری ہے کہ قولی یا فعلی یا عملی طور پر ایسی بات سرزد نہ ہو، جس سے شیخ کا قلب متأثر ہو جائے، اس لیے کہ فیضانِ قلب کی بحالی وتسلسل کے لیے سالک ومسترشد کی طرف سے عوارض وموانع اور مخلات سے شیخ کے قلب کی سلامتی ضروری ہے، معمولی سا تنکا بھی فیضان قلبی کے لیے بڑا روڑا ثابت ہوتا ہے۔

اس لیے مثل مشہور ہے کہ جو شخص بھی کسی مقام پر پہنچتا ہے، وہ ادب وتعظیم ہی کی بدولت پہنچتا ہے اور کسی مقام ومرتبہ سے ترک تعظیم وادب ہی کی وجہ سے گر جاتا ہے، اس لیے مثل مشہور ہے کہ ادب وتعظیم اطاعت سے بڑھ کر ہے، انسان گناہ کی وجہ سے کافر تو نہیں ہوتا مگر گناہ کو ہلکا سمجھنے اور ترک تعظیم کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے، یہ وہ دقیق ولطیف بات ہے جس کو سمجھنے اور دل ودماغ میں بٹھانے کی ضرورت ہے، خاص طور پر راہِ سلوک کے سالکین کے لیے بے پناہ قیمتی اور اہم اور قابل توجہ امر ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی خانقاہ اور ایک ابدال

ایک مرتبہ ایک صاحب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی خانقاہ میں ملاقات و زیارت کے لیے حاضر ہوئے، جب خانقاہ کے دروازہ پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص پڑا

ہوا ہے، جس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے ہیں، اندر پہنچ کر حضرت پیران پیر سے اس کے بارے میں دریافت کیا اور اس کی صحت کے بارے میں دعا کی درخواست کی، حضرت پیران پیر نے اس کو ڈانٹ دیا اور فرمایا: چپ رہو وہ بے ادب و گستاخ ہے، اس کو بے ادبی کی سزا ملی ہے، یہ چالیس ابدالوں میں سے ایک ابدال ہے، کل یہ کئی ساتھی ہوا میں پرواز کرتے ہوئے جا رہے تھے، جب خانقاہ کے پاس سے گزرے تو اس کے دوسرے ساتھی ادب واحترام میں خانقاہ کے دائیں بائیں سے گزر گئے، لیکن یہ خانقاہ کے اوپر سے گزرنا چاہا، جب خانقاہ کے اوپر پہنچا تو خانقاہ کی تجلی نے اس کی پرواز کو سوخت کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں یہ زمین پر آ گرا اور گرنے کی وجہ سے اس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے، اس کی اس گستاخی و بے ادبی کا یہ ثمرہ ہے کہ اس کو یہ بھوگ رہا ہے۔

(۲) حضرت جنید بغدادی عید کی رات میں اپنی خانقاہ میں جلوہ افروز تھے، آپ کی خدمت میں چار رجال غیب حاضر ہوئے، خیر خیریت کے بعد آپ نے ان چاروں سے پوچھا کہ کل عید کی نماز تم کہاں ادا کرو گے؟ ان میں سے ایک نے کہا: مکہ معظّمہ میں۔ دوسرے نے کہا: مسجد نبوی میں۔ تیسرے نے کہا: بیت المقدس میں۔ چوتھے نے کہا کہ حضرت! آپ کے ساتھ میں عید کی نماز ادا کروں گا، آپ یہ جواب سن کر اس کے حسن ادب پر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: **أعلمهم و أفضلهم** ۔ کہ تم اپنے ساتھیوں کے مقابلے میں راہ طریقت کے سب سے زیادہ جان کار اور اپنے ساتھیوں میں افضل ترین ہو۔

(۳) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء شیخ علی مکی کے حوالہ سے ملکِ کرمان کا

ایک واقعہ بیان کرتے تھے کہ وہاں ایک قاضی صاحب تھے، جو سال میں کبھی کبھار سماع کی مجلس منعقد کیا کرتے تھےاور کرمان کے سارے مشائخ اس میں جلوہ افروز ہوا کرتے تھے۔

اس زمانے کے ایک اللہ والے کو اس مجلس کا جب حال معلوم ہوا تو بغیر بلائے وہ بھی اس مجلس میں آ کر بیٹھ گئے، جب سماع کی مجلس شروع ہوئی تو اس باکمال درویش کے بدن میں جنبش شروع ہوگئی اور حالتِ وجد میں وہ کھڑے ہوگئے، قاضی صاحب کو اس خستہ حال، انجانے شخص کا کھڑا ہونا برا لگا، انھوں نے ڈانٹ کر بٹھا دیا، درویش بادلِ ناخواستہ بیٹھ گیا، اگر چہ اس کی وجہ سے اہل مجلس میں اس کی بہت سبکی ہوئی، لیکن خاموشی کے ساتھ وہ بیٹھا رہا؛ تا آنکہ مجلس سماع میں شباب پیدا ہوگیا اور ہر ایک پر تقریباً وجد وتواجد کی کیفیت طاری ہوگئی، اسی کیفیت میں قاضی صاحب بھی کھڑے ہونے کے لیے اٹھے، تو اس کس مپرس اور خستہ حال درویش اللہ والے نے بلند آواز سے کہا: بیٹھ جاؤ۔ قاضی صاحب اس کی آواز سے کچھ ایسا خوف زدہ ہوئے کہ فوراً بیٹھ گئے۔

مجلس ختم ہونے کے بعد سارے لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے وہ اللہ والے بھی چلے گئے، لیکن قاضی صاحب تمامتر کوشش کے باوجود نہیں اٹھ پائے اور اسی جگہ اسی حال میں سات سال تک بیٹھے رہے، اور وہیں ان کی موت ہوئی اور دنیا سے رخصت ہوگئے اور یہ سزا تھی اس گستاخی و بے ادبی اور دل دکھانے کی جو ایک خدا

رسیدہ درویش اللہ والے کی شان میں انھوں نے کی تھی۔

اللہ پاک ایسی گستاخی و بے ادبی سے ہر ایک کی حفاظت فرمائے اور ہر ایک کے ادب واحترام کے ساتھ جینے اور چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور دنیوی واخروی خسران ونقصان سے اللہ حفاظت فرمائے، آمین۔

اپنے شیخ کو چھوڑ کر دوسرے شیخ سے رجوع کرنے کا حکم

تصوف کا ایک پیچیدہ مسئلہ اور ہے اس کو بھی سمجھ لینا چاہئے، مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک شیخ سے بیعت کر لی، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ شیخ بدعتی ہے یا غلط عقیدے کا حامل ہے، ایسی صورت میں مشائخِ حقہ یہ فرماتے ہیں کہ فوراً کسی حق پرست شیخ سے بیعت ہو جائے اور اس بیعت کو کالعدم تصور کرے۔

لیکن اگر وہ شیخ صحیح عقیدہ کا حامل ہو، لیکن وہ بافیض نہ ہو یا اس سے کسب فیض میں دشواری یا رکاوٹ ہو یا اس کی باطنی ترقی کے لیے شیخ کے پاس ذرائع نہ ہوں تو ایسی صورت میں کیا ایسا شخص دوسرے بافیض شیخ سے رجوع کر سکتا ہے، جس سے کسبِ فیض میں سہولت ہو اور ان کے پاس باطنی ترقیات کے ذرائع بھی موجود ہوں۔

اس سلسلے میں اپنے اسلاف اور بزرگوں کی کتابوں میں جو مذکور ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اس کی اجازت وگنجائش ہے، لیکن شیخ اول کی توہین وتحقیر، تنقیص

وتذلیل کی اجازت نہیں۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ حسن عجمی نے شیخ عیسیٰ مغربی سے سوال کیا کہ اگر کسی شخص کا کوئی شیخ موجود ہو جس سے وہ بیعت ہو تو اس شیخ کو چھوڑ کر دوسرے شیخ سے بیعت ہونا اس کے لیے کیا درست ہے؟ اس کے جواب میں شیخ عیسیٰ مغربی نے فرمایا کہ باپ تو ایک ہی ہوتا ہے، لیکن چچا بہت ہو سکتے ہیں۔ یعنی پہلے شیخ کا مرتبہ بہ حیثیت باپ کے ہے اور اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جانا چاہئے جو باپ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اسی انداز کا سوال ایک مرتبہ خواجہ گیسو دراز نے اپنے شیخ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی سے کیا تو اس کے جواب میں حضرت خواجہ چراغ دہلوی نے فرمایا کہ اس کا تعلق اعتقاد سے ہے۔ یعنی یہ جائز تو ہے، لیکن اپنے شیخ اول سے عقیدت کو بحال رکھے، حسن ظن کی جگہ سوءِ ظن کو نہ آنے دے۔

تقریباً اسی انداز کی بات شیخ شرف الدین یحیٰ منیری نے بھی لکھی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اس کی اجازت و گنجائش ہے۔

یہ سوال ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی سے ان کے ایک مرید نے کیا تو حضرت مجدد صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا کہ راہِ سلوک کا مقصود و مقصد تعلق مع اللہ و قربِ خداوندی ہے اور شیخ اس کا صرف ذریعہ اور واسطہ ہے، لہٰذا اگر کوئی طالب اپنے شیخ کے ذریعہ کو کمزور محسوس کرے اور اس کے مقابلے میں دوسرے شیخ کے

ذریعہ کومضبوط محسوس کرے اوراس کی طرف اس کی طبیعت کا میلان و جھکاؤ بھی ہوتو دوسرے شیخ سے رابطہ میں کوئی حرج نہیں، بلکہ جائز ہے۔ البتہ شیخ اول کے ادب واحترام کوملحوظ رکھے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی شیخ سے بیعت ہواور دوسرا شیخ اس کو اپنی طرف سے خرقۂ خلافت سے سرفراز کردے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، اسی طرح ایک شیخ کی اجازت ہوتے ہوئے، دوسرا شیخ اس شخص کو اجازت وخلافت سے نواز دے تو اس لین دین میں بھی کوئی حرج نہیں، جیسا کہ حضراتِ کبار مشائخ کے معمولات وطرز سے یہی معلوم ہوتا ہے، جس کے بہت سے نظائر اسلاف سے ملتے ہیں، جو کتابوں میں مذکور ہیں۔

ابتدائی معمولات

ابتدائی مرحلہ میں عموماً سالکین سلک مسلسل میں مربوط ہونے والوں کو ہلکی غذا دیتے ہیں تا کہ معدہ اسی اعتبار سے ہضم کی صلاحیت بڑھاتا رہے جوں جوں شوق وہمت میں اضافہ ہوتا ہے رغبت ودلچسپی بڑھتی ہے۔ حضرات مشائخ غذاء معرفت میں اضافہ کرتے ہیں۔

طبیب حاذق کی پہچان بھی یہی ہے کہ وہ مزاج آشنا ہواور اسی کے اعتبار

سے نسخہ تجویز کرے۔ تاکہ ری ایکشن نہ ہو۔ حضرات مشائخ عموماً ابتدائی مرحلہ میں نمازوں کی پابندی نوافل، اوابین، اشراق، چاشت، تہجد وغیرہ کا اہتمام، قرآن پاک کی تلاوت، صبح وشام درود شریف استغفار اور تیسرے کلمہ کی تلقین فرماتے ہیں اور کچھ دنوں تک انہیں اعمال کا پابند بناتے ہیں۔ اس کے بعد حسب قوت وطاقت وحسب طلب وچاہت معمولات میں اضافہ فرماتے ہیں۔ البتہ اذکار واشغال شروع کرنے سے قبل یہ بات ضرور ذہن میں رہنی چاہئے کہ آغاز میں تاخیر ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن انجام بخیر ہونا چاہئے یعنی شروع کرنے کے بعد چھوڑنا انتہائی نقصان دہ ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کا ملفوظ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ اکثر اس کی ہدایت فرمایا کرتے تھے ''میرے پیارو! ذکر واذکار کے شروع کرنے میں تاخیر ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن شروع کرنے کے بعد ہرگز نہ چھوڑنا اور فرمایا کرتے تھے کہ میری بیماریوں میں سے اکثر بیماری کی جڑ انہیں معمولات کا چھوٹنا ہے''۔

ثانوی درجہ کے معمولات

ابتدائی درجہ کے معمولات میں رسوخ پیدا ہو جانے کے بعد حضرات مشائخ

پھر ذکر کی لائن پر ڈالتے ہیں جس کی ابتداء حضرت مشائخ چشت کے یہاں دوازدہ تسبیح سے ہوتی ہے، اگرچہ یہ تسبیحات تیرہ ہیں، لیکن مشہور دوازدہ (بارہ) تسبیح کے ساتھ ہیں جس کا ایک خاص انداز ہے اور مخصوص انوار و برکات ہیں جو حضرات اس کی لذت سے آشنا ہیں انھوں نے حرز جان بنالیا ہے، ہمارے اکابرین نے انتہائی لاغری وکمزوری کی حالت میں بھی اس کو ترک نہیں کیا، اگر جہراً نہیں کر پائے تو سراً سہی، میں نے خود درجنوں حضرات کو اسی حال میں پایا ہے۔

ذکر دوازدہ تسبیح کا طریقہ

عموماً اکابرین ومشائخ دوازدہ تسبیح کی تلقین حضرات مشائخ چشت کے انداز پر کرتے ہیں اور عموماً ہمارے اکابر کے یہاں مشائخ چشتیہ ہی کے معمولات رائج ہیں گو کہ دوسرے سلاسل اور ان کے اذکار، اوراد، اشغال بھی ہند و پاک میں رائج ہیں۔

ذاکر پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے قلب کی طرف متوجہ ہو جائے اور چہار زانو اس طرح بیٹھے کہ رخ قبلہ کی طرف ہو اور داہنے پاؤں کے انگوٹھے اور اس کے بغل والی انگلی سے بائیں پاؤں کے گھٹنے کے اندر والی موٹی رگ جس کو رگ کیماس کہتے ہیں مضبوطی سے پکڑ لے، اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دراز کر کے دونوں گھٹنوں پر رکھ دے اور کمر سیدھی کر لے اس کے بعد متوسط جہر کے ساتھ ذکر شروع کر دے۔

سب سے پہلے دوسو مرتبہ یعنی دو تسبیح **لا الـہ الا اللہ** کا ذکر کرے اس طور پر

کہ لا کی ابتداء قلب سے کرے جو بائیں پستان سے دو انگلی کے فاصلہ پر ہے اور الہ کو داہنے مونڈھے پر ختم کردے اور الا اللــــہ کی ضرب قلب پر لگائے اور ہر دس پندرہ مرتبہ کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ ایک بار پڑھ لے۔

اس کے بعد صرف الا اللــہ کا ذکر کرے جس کی مقدار چار تسبیح یعنی چار سو مرتبہ ہے، اسی ہیئت مذکورہ پر بیٹھ کر اس کی ضرب قلب پر لگائے اور بیچ بیچ میں **لامعبود، لا مقصود، لا موجود الا اللہ** بھی کہتا رہے۔

اس کے بعد چھ سو مرتبہ یعنی چھ تسبیح اللّٰـہُ اللّٰہْ کا ذکر کرے اس کی بھی ضرب قلب ہی پر لگائے اور بیچ بیچ میں **اللــہ حاضری، اللہ ناظری، اللہ معی** بھی کہتا رہے۔

اس کے بعد ایک تسبیح یعنی سو مرتبہ اللّٰـہُ کا ذکر کرے اس کی بھی ضرب قلب ہی پر لگائے اس طرح دوازدہ تسبیح کا ذکر مکمل ہو جائے گا۔

اس کے بعد دس پندرہ منٹ قلب کی طرف گردن جھکا کر آنکھ بند کر کے متوجہ ہو جائے۔

تنبیہ

ایک اہم بات قابل لحاظ یہ ہے کہ بغیر شیخ کی اجازت کے ذکر شروع نہ کرے بعض مرتبہ غلبۂ شوق میں لوگ از خود ذکر میں لگ جاتے ہیں، پھر جب نقصان ہوتا ہے

تو بھاگے بھاگے پھرتے ہیں، یہ اس طریق کے اصول کے خلاف ہے۔ البتہ ذکر از خود مانگنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اگر شیخ مناسب سمجھے گا تو وہ طریقہ بتلا کر ذکر شروع کرا دے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ذکر دوازدہ تسبیح کا جو طریقہ لکھا گیا ہے وہ کاغذی ہے ذکر کی اجازت کے ساتھ عملی طور پر اپنے مرشد سے اس کا سیکھنا بھی ضروری ہے تاکہ ذکر کی پوری روح شکل کے ساتھ آ جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس ذکر کو شروع کرنے کے بعد مداومت بھی ضروری ہے اس کے بغیر اس ذکر کے برکات وانوارات کے ساتھ اس کی لذت وحلاوت نہیں ملے گی، لہٰذا ذاکرین حضرات ان امور کا ضرور لحاظ رکھیں۔

ذکر کا احسن وقت

ذکر دوازدہ تسبیح کا سب سے بہتر وقت تہجد کا وقت ہے جس کی احسن صورت یہ ہے کہ بارہ رکعات تہجد بوقت تہجد ذاکر اس طرح پڑھے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیر دے اور ہر رکعت میں تین تین بار سورۂ اخلاص یعنی قل ہواللہ احد الایۃ پڑھے یہ کم سے کم مقدار ہے، ورنہ اگر حافظ ہو تو جتنا چاہے قرآن پڑھے، تہجد سے فارغ ہو کر گیارہ مرتبہ انتہائی توجہ ویکسوئی کے ساتھ یہ دعا پڑھے: "**اللھم طھر قلبی عن غیرک ونور قلبی بنور معرفتک**" اس کے بعد ۲۱ مرتبہ استغفار یعنی "**استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ**" پڑھے اس کے بعد کوئی بھی درود گیارہ مرتبہ

پڑھے اس کے بعد یا حی یا قیوم ۲۱ مرتبہ پڑھے اس کے بعد سورہ یٰسین شریف ایک بار یا سورہ اخلاص گیارہ مرتبہ پڑھ کر سلاسل اربعہ کے جملہ مشائخ کی ارواح کو اور اپنے مرشد و شیخ کو ایصال ثواب کرے اس کے بعد اس طریقہ کے مطابق ذکر شروع کر دے جس کا ذکر اس سے قبل آ چکا ہے۔

اور اگر کسی وجہ سے تہجد کے وقت ذکر نہ کر سکے تو پھر فجر کی نماز بعد کر لے گو کہ اصلی و احسن وقت بوقت تہجد ہے۔

حضرت شیخ کے کچے گھر کا ذکر

ہمارے مرشد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ذاکرین کی سہولت کی خاطر بعد نماز فجر مجلس ذکر کا انعقاد و اہتمام فرماتے تھے گو کہ ذاکرین تہجد کے وقت ہی سے خانقاہ (کچے گھر) میں آنا شروع ہو جاتے تھے اور ذکر بھی اسی وقت سے شروع ہو جاتا تھا۔ اور اگر فجر کے بعد کسی وجہ سے ذکر نہ کر سکے تو پھر مغرب کے بعد کھانے سے قبل کر لے۔

ذکر کے بعد کا عمل

ذکر کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی خانقاہ میں معمول یہ تھا کہ ذاکرین ایک ایک مٹھی چنا لیتے جو مٹی کے ایک برتن میں کشمش ملا کر ذاکرین کے لئے رکھا رہتا تھا اور یہ کہتے ہوئے قریبی باغ کی طرف دوڑتے کہ آؤ جنت والا عمل کریں یعنی

یتنازعون فیها کأساً لا لغو فیها و لا تأثیم، آیت قرآنی کی طرف اشارہ تھا، پھر آپس میں چنے کی چھینا جھپٹی ہوتی، اس طرح کچھ دیر تک ترویح قلب کا سامان فراہم کیا جاتا اس کے بعد پھر ذاکرین حضرات اشراق ودیگر معمولات میں مشغول ہوجاتے۔

ہمارے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی خانقاہ میں معمول یہ تھا کہ مولانا نصیر احمد صاحب مرحوم ذاکرین کے لئے چائے تیار رکھتے تھے حضرت کے یہاں آنے والے ذاکرین ذکر سے فارغ ہوکر چائے پیتے، ہر ایک کو ایک پیالی چائے اور ایک پاپا دیا جاتا تھا، اس سے فارغ ہوکر اشراق و دیگر معمولات میں مصروف ہوجاتے، ہمارے مرشد ومخدوم حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی خانقاہ میں عموماً ذاکرین ذکر کے بعد تھوڑی دیر آرام کرتے، خود حضرت بھی آرام فرماتے اس کے بعد ناشتے کا معمول تھا۔ یہ خادم مہمانوں کے لئے ناشتہ بنا کر خود بھی لیٹ جایا کرتا تھا اس کے بعد مہمانوں کو وقت مقررہ پر ناشتہ کراتا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعد فجر آج تک لیٹنے کی عادت نہیں گئی۔

ہمارے شیخ ومرشد حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحبؒ جونپوری کی خانقاہ میں بھی چند سال تک حضرت شیخ کی خانقاہ کی اتباع میں ذاکرین کو ایک پیالی چائے اور ایک توس یا پاپا پیش کیا جاتا تھا جس کا نظم ہمارے رفیق محترم مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی کے ذمہ تھا جس کو بہت شوق واہتمام سے انجام دیتے تھے خود حضرتؒ کا معمول چائے کا بوقت تہجد تھا مجلس ذکر سے فارغ ہوکر حضرتؒ اشراق و دیگر معمولات میں مصروف ہوجاتے اور باقی ذاکرین وخدام اپنے اپنے مشاغل خاصہ میں لگ جاتے۔

ذاکر کی حالت

یہ امر بھی بہت زیادہ قابل اہتمام ہے کہ ذاکر کو ذکر خلو معدہ کے وقت کرنا چاہئے، اسی وجہ سے حضرات مشائخ نے اس کا وقت صبح کا منتخب کیا ہے، اس وقت معہدہ خالی رہتا ہے جب بطن خالی رہے گا تو باطن کو غذا ملے گی، جلاء ملے گی اور جب بطن مملوء ہوگا تو باطن ملول ہوگا، پھر خاطر خواہ ذکر کی حلاوت ولذت سے آشنائی نہ ہوگی۔

اسی طرح اس کا بھی لحاظ ضروری ہے کہ نوم وغفلت کی حالت نہ ہو۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا ملفوظ

ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے ایک متوسل نے کہا کہ حضرت جب ذکر شروع کرتا ہوں تو نیند آنے لگتی ہے، کیا کروں؟ حضرت نے فرمایا تکیہ لگا کر سو جایا کرو اور جب نیند پوری ہو جائے تو پھر ذکر کیا کرو، اسی وجہ سے حضرات مشائخ ذکر کے لئے یکسوئی، استیقاظ، تیقظ ضروری قرار دیتے ہیں، اس کے بغیر نہ ذکر میں جان آسکے گی نہ ہی قلب مردہ میں جان پڑے گی۔

اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے نوم وغفلت کی حالت میں نماز ودعاء سے منع فرمایا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ غلبۂ نیند میں **اللھم ارحمنی** کے بجائے **اللھم لاترحمنی** اور **اللھم اغفرلی** کے بجائے

اللھم لاتغفرلی نکل جائے اور بات کہیں سے کہیں پہونچ جائے۔

مکان ذکر

حضرات مشائخ طریقت کے یہاں ذاکرین کے لئے چھوٹے تاریک وتنگ حجرے بنائے جاتے تھے اور مسترشدین انہیں حجروں کی تنگی میں چلہ کشی کر کے جب باہر نکلتے تھے تو اللہ کی وسیع زمین پر رہنے والوں کے قلوب پر حکومت کرتے تھے اور علاقہ کا علاقہ ان کے قدموں میں نثار ہوتا تھا اور انہیں تاریک کمروں سے ایسی روشنی لے کر نکلتے تھے کہ ایک دنیا کو روشن کردیتے تھے اور جس پر نگاہ ڈال دیتے تھے اس کی کایا پلٹ جاتی تھی۔

حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کا تذکرہ

چنانچہ حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگویؒ کے حجرے آج بھی موجود ہیں اس خادم نے بارہا دیکھا ہے جس میں حضرات ذاکرین کے ذکر کے انوارات آج بھی محسوس ہوتے ہیں سرزمین گنگوہ پر ایک زمانہ وہ گزرا ہے کہ ذاکرین کے ذکر سے اس سرزمین کا چپہ چپہ متأثر تھا، حتی کہ وہ دھوبی جو کپڑے لے کر خانقاہ کے پاس بڑے تالاب میں کپڑا دھونے صبح سویرے آیا کرتے تھے، وہ بھی بجائے ہوہا کے **الا اللــہ**

اور اللہ اللہ کی ضربیں لگایا کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ بوقت سحر خانقاہ کے اردگرد ہر مکان سے ذکر کی آواز آیا کرتی تھی، کاش آج بھی کوئی خطہ اس سرزمین کا نمونہ بن جائے کہ پوری فضاء ذکر کی صداء سے گونج اٹھے۔

الحاصل اگر اس طرح کا کمرہ تخلیہ کے لیے میسر نہ ہو تو حتی الامکان تخلیہ پیدا کرنے کی کوشش کرے اگر روشنی ہو تو اسے گل کر دے تاکہ قندیل باطن روشن ہو جائے اور پھر اس کی روشنی حشر تک کام آئے۔

چنانچہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے یہاں خادم نے خود دیکھا کہ بلب بند کر دیا جاتا تھا، اسی طرح حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ جونپوری کے یہاں بھی تھا۔

فضاء ذکر

حضرات مشائخ طریقت کی خانقاہیں آج سونی پڑی ہیں ذاکرین کی جماعت کی تعداد دن بدن کم ہوتی جارہی ہے، حالانکہ خانقاہوں کو آباد کرنے کی ضرورت ہے، ذاکرین پیدا کرنے کی ضرورت ہے جن حضرات نے اس کو سمجھا انہوں نے مرتے دم تک اپنے کو اس عظیم کام کے لئے وقف کر دیا۔ چنانچہ ہمارے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے انتہائی ضعف و نقاہت کی حالت میں افریقہ و لندن کا سفر کیا اور

ذاکرین کی جماعت پیدا کی اور خانقاہوں کو وجود بخشا اس کے لئے افراد فراہم کئے۔ چنانچہ آج الحمدللہ لاکھوں کی تعداد میں ان خانقاہوں سے ذاکرین وابستہ ہیں۔

تذکرہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کا معمول تھا کہ جب مدینہ طیبہ سے تشریف لاتے تو سرہند، گنگوہ، رائے پور، دہلی کے اکابرین ومشائخ کے مزارات پر بہت اہتمام کے ساتھ تشریف لے جاتے اور حضرت کے ساتھ خواص خلفاء و مجازین کی پوری جماعت ہوتی تھی، حضرت گھنٹوں مراقب رہتے اور باقی حضرات ذکر جہری ومراقبہ میں مشغول ہوجاتے، اس خادم نے گنگوہ دہلی میں یہ منظر خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور ان مجالس میں شرکت کی ہے تین چار گھنٹے کی عموماً یہ مجلس ہوا کرتی تھی، اس کے بعد جب مقام پر تشریف لاتے تو خواص کو بلاکر دریافت فرماتے کہ ''کیا دیکھا کیا محسوس ہوا''، اکثر حضرات یہی فرماتے کہ حضرت خانقاہوں کے احیاء اور مجالس ذکر کے قیام کی کثرت کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے حضرتؒ پوری زندگی بالخصوص زندگی کے آخری سالوں میں اس کے لئے نہایت فکرمند تھے اور حضرتؒ کی خواہش تھی کہ ذکر کی مجالس کا قیام زیادہ سے زیادہ ہوااوراس کو قائم کرنے والے افراد زیادہ سے زیادہ مہیا ہوں۔

آج الحمدللہ ہندوستان میں مکاتب ومدارس بہت ہیں اوراس سے منسلک ہوکر

کام کرنے والے افراد بھی بہت ہیں۔اسی طرح دعوت وتبلیغ کی لائن سے بھی کام کرنے والے بہت ہیں، اسی طرح اور دوسری دینی جماعتوں سے وابستگان بھی بہت ہیں لیکن آج اگر کمی ہے تو صحیح نہج پر کام کرنے والے خانقاہوں کی اور مجالس ذکر کی۔ اگر کہیں منہاج طریقت پر کام ہورہا ہوتو اس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیئے ٹانگ کھینچائی نہیں۔

سالکین کے ذکر کی علت خفیہ

جب کوئی شخص داخل سلسلہ ہوتا ہے اور کسی خانقاہ میں داخلہ لیتا ہے اور کسی صاحب نسبت اللہ کے ولی کے دامن سے وابستہ ہوتا ہے تو سبق کی ابتداء ذکر سے کراتے ہیں اور بالتدریج ذکر میں اضافہ فرماتے ہیں، ذکر ناسوتی، ملکوتی، جبروتی، لاہوتی، پھر اسم ذات کی ضربیں لگواتے ہیں۔ایک سے سات تک اس کی ضربیں ہوتی ہیں، پھر مقدار میں اضافہ فرماتے ہیں، کم ازکم بارہ ہزار اور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ پچیس ہزار تک حضرات مشائخ نے اس کی ضربیں لگوائی ہیں۔

اسی طرح ذکر حدادی، ذکر قلندری، ذکر سرمدی، ذکر ارہ، ذکر جاروب القلب، سلطان الاذکار جیسے اذکار سے بھی ذاکرین گزرتے ہیں۔

الغرض حضرات مشائخ خانقاہوں میں ذکر پر زیادہ زور اسی لیے دیتے ہیں تاکہ اس کی کثرت، مداومت اور برکت سے عناصر اربعہ کی خصوصیات وتاثیرات کا ازالہ ہوجائے اور نفس رذائل سے منزہ اور صاف ستھرا ہوجائے اور قلب وروح کی راہ

میں وہ حائل نہ ہو اور قلب و روح کی رکاوٹ ختم ہو جائے۔

ذکر میں لگے رہنا بھی ایک بڑا نفع ہے

ایک مرتبہ ایک صاحب نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے شکایت کی کہ حضرت ذکر تو کرتا ہوں لیکن کوئی نفع نہیں ہوتا۔ اس طرح کی شکایات عام طور پر ذاکرین کو ہوتی ہیں، چونکہ ذاکرین یہ نہیں سمجھتے کہ یہ مذکور تک پہونچنے کا ایک ذریعہ ہے جس کو ہمیں ہر حال میں جاری رکھنا ہے اور کرتے رہنا ہے خواہ اس سے کیفیات حاصل ہوں یا نہ ہوں، لیکن عموماً ذاکرین کچھ دنوں کے بعد یہ سوچنے لگتے ہیں کہ میں اتنے دنوں سے ذکر کرتا ہوں میں ابھی تک صاحب کشف و کرامت کیوں نہیں بنا۔

اس لئے حضرت حاجی صاحب نے اس کے جواب میں یہ فرمایا کہ یہ کم نفع ہے کہ تم ذکر میں لگے ہوئے ہو اور ذکر کی توفیق تم کو دے دی گئی۔ اللہ کا نام لینے کی توفیق مل جائے یہ بھی بڑی بات ہے۔ اگر وصال اور وصول نہیں ہو سکا اور مذکور نہیں مل سکا تو کیا یہ کم ہے کہ اس کے طلب گاروں کی فہرست میں نام آجائے گا۔

کون کہتا ہے کہ اللہ کے نام میں مٹھاس نہیں ہے

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ کون کہتا ہے کہ

اللہ کے نام میں مٹھاس نہیں ہے میں تو یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اللہ کے نام میں مٹھاس ہے اور ایک خاص قسم کی حلاوت ہے۔ اور جس کو بھی یہ حلاوت و چاشنی مل جاتی ہے اس سے ذکر کبھی نہیں چھوٹتا وہ ہر حال میں اللہ کا نام لیتا ہے اور اتنی کثرت سے لیتا ہے کہ لوگ اس کو مجنون اور دیوانہ سمجھنے لگتے ہیں، حالانکہ وہ مجنون اور دیوانہ نہیں ہوتا بلکہ اللہ کے نام کی لذت میں وہ غرق ہوتا ہے اور حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اذکروا اللہ حتی یقول الناس مجنون'' کہ اللہ کا اتنا نام لو کہ لوگ تم کو دیوانہ اور پاگل کہنے لگیں۔ حقیقی عاشقین کا حال وہی ہوتا ہے جو مجنوں نے لیلیٰ کے نام کے بارے میں کہا تھا، جب وہ لیلیٰ کا نام صحرا میں لکھ رہا تھا تو کسی دیکھنے والے نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ تو اس کے جواب میں اس نے کہا کہ ؎

نام لیلیٰ مشق می کنم

خاطر خود را تسلی می دہم

کہ لیلیٰ کا نام لکھ کر اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں۔

تم تو یہی سمجھنا کہ شیخ ہی سے ملا ہے

ایک مرتبہ ایک صاحب نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے عرض کیا کہ حضرت جو کچھ باطنی نفع ہوا ہے وہ تو سب آپ ہی کی برکت سے ہوا ہے،

اس پر حضرت نے جواب دیا کہ جو کچھ آدمی کو ملتا ہے وہ اسی کی محنت ہوتی ہے، جیسے کوئی شخص سینی میں بھر کر مختلف انواع کے کھانے اپنے سر پر رکھ کر تمہارے پاس لائے اس کے لانے کے بعد تم اسی سینی میں سے جو اپنے سر پر لاد کر لایا ہے ایک پلیٹ اس کو دے دو تو اس کو تو وہی ملا جو اس کے پاس تھا جس کو محنت کر کے اپنے سر پر رکھ کر تمہارے پاس لایا، لیکن وہ جس طرح ممنون تمہارا ہوگا اسی طرح ہر طالب جب اس کو باطنی نفع ہوتا ہے تو اگر چہ یہ اسی کی کمائی ہوتی ہے اور اسی کی محنت کا ثمرہ ہوتا ہے لیکن اس کو یہی سمجھنا چاہئے کہ مجھ کو جو کچھ ملا ہے شیخ ہی سے ملا ہے۔ اگر وہ یہ سمجھے گا کہ یہ تو میری اپنی محنت کا ثمرہ ہے تو یہ اس کے لئے مضر ہوگا اور اس کی ترقی کی راہ مسدود ہو جائے گی۔

ذکر دوازدہ تسبیح کے مراتب

دوازدہ تسبیح جن اذکار کے مجموعہ کا نام ہے ان میں پہلا نمبر **لا الـہ الا اللـہ** یعنی پہلا کلمہ ہے اس ذکر کو صوفیاء کی اصطلاح میں ذکر اثبات و نفی کہتے ہیں، اسی کو ذکر ناسوتی بھی کہتے ہیں۔

دوسرا نمبر **الا الله** کا ہے اس کو اثبات مجرد کہتے ہیں، اسی کو ذکر ملکوتی بھی کہتے ہیں۔

تیسرا نمبر **اللّٰـہُ اللّٰہْ** کا ہے اللہ اول کی ''ہ'' مضموم ہے اور دوسرے کی ساکن

اس کواسم ذات دوضربی کہتے ہیں اوراسی کوذکر جبروتی بھی کہتے ہیں۔

چوتھا نمبر اللہ اللہ کا ہے ''ہ'' کے سکون کے ساتھ، اس کواسم ذات ایک ضربی کہتے ہیں اسی کا دوسرا نام ذکر لاہوتی بھی ہے اور بعض حضرات ذکر ''ہو'' کوذکر لاہوتی کہتے ہیں۔

ذکر کی نشست

حضرات مشائخ طریقت کے یہاں ذکر دوازدہ تسبیح کے لئے بیٹھنے کا طریقہ چہار زانو ہے، کچھ اذکار میں دوزانو بھی بیٹھایا جاتا ہے، لیکن اس ذکر کی نشست چہار زانو ہے، لہٰذا ذاکرین حضرات کواس کا خیال رکھنا چاہئے تاکہ ذکر کی نشست علی ہیئۃ السلف ہواوراس کے برکات سے ذاکر بہرہ ور ہو۔

رگ کیماس وقلب کی تعیین

رگ کیماس پاؤں کے بائیں گھٹنے کے اندر والی موٹی رگ کو کہتے ہیں ذاکر کو اثناء ذکر داہنے پاؤں کے انگوٹھے اور اس کے بغل والی انگلی سے اس کو پکڑ لینا چاہئے چونکہ اس رگ کا تعلق قلب سے ہے اور اس کی حرارت قلب کوگرمانے میں مؤثر ہے ایک کی گرمی کا اثر دوسرے پر مرتب ہوتا ہے، اور قلب بائیں پستان کے

دوانگلی کے نیچے ہے، لہٰذا ذاکر اثناءذکر جب الا اللہ اور اللہ کی ضرب قلب پر لگائے تو مقام قلب ذہن میں رہے تاکہ صحیح مقام پر ضرب لگے اور قلب اس کے اثرات سے متأثر ہو۔

ذکر نفی و اثبات کا اسلوب

ذکر کے وقت ذاکر جب اپنے ہاتھ کو گھٹنوں پر رکھے تو یہ ذہن میں رہے کہ انگلیاں کشادہ ہوں اس کے بھی اثرات باطنی طور پر مرتب ہوتے ہیں۔

اسی طرح حضرات مشائخ طریقت نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ جب ذکر نفی و اثبات کرے تو **لا اله** پر کلمہ شہادت کی انگلی اٹھالے جس طرح تشہد میں **لا اله** پر کلمۂ شہادت کی انگلی اٹھائی جاتی ہے اور جب **الا الله** کہے تو انگلی رکھ دے جس طرح تشہد میں **الا الله** پر انگلی رکھ دی جاتی ہے اگرچہ شروع شروع میں تکلیف ہوگی، لیکن کچھ ہی دنوں میں بے تکلف انگلی کا عمل جاری ہو جائے گا۔

اسی طرح حضرات صوفیاء کرام نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ جب **لا اله** کہے تو ذاکر کو چاہئے کہ اپنی آنکھیں کھلی رکھے اور جب **الا الله** کہے تو اپنی آنکھ بند کرلے۔ باطنی طور پر اس کے بھی اثرات ہیں جس سے وہ حضرات خوب واقف ہیں جو اس طریق سے گزر چکے ہیں آج وہ طریقت کے امام ہیں۔

بیان تصورات

ذکر دوازدہ تسبیح میں ہر کلمہ کے ذکر کے وقت کا الگ الگ تصور بھی ہے، اگر ذاکر ان تصورات کے ساتھ ذکر کرتا ہے تو اس کو یکسوئی و دلجمعی کے ساتھ اس کی حلاوت نصیب ہوتی ہے، اور ایک دن وہ بھی آتا ہے کہ یہی تصورات اس کو مقام تصدیق تک پہونچا دیتے ہیں، پھر وہ چاہے لڑکا ہی کیوں نہ ہو وہ اس طریق کا بڑکا ہو جاتا ہے اور خالق کی نگاہ میں اس کا ایک مقام ہوتا ہے۔

جب ذاکر لا الــہ الا اللــہ یعنی اثبات ونفی کا ذکر کرے، اور کلمۂ لا کو دل کے اندر سے کھینچے تو یہ تصور کرے کہ میں اللہ کے علاوہ تمام چیزوں کو اپنے دل سے نکال کر پھینک رہا ہوں اور جب کلمۂ الــہ کو داہنے مونڈھے پر لے جا کر ختم کرے تو تصور کرے کہ میں ماسوا اللہ کو پشت کے پیچھے پھینک رہا ہوں۔ اور جب الا اللہ کی ضرب داہنے مونڈھے سے سر کو لا کر قلب پر لگائے تو یہ تصور کرے کہ میں عشق الٰہی ونور الٰہی کو اپنے دل میں بھر رہا ہوں۔

اس تصور کے ساتھ جب ذاکر ان کلمات کا ذکر کرے گا تو بالتدریج یہ تصور واقعہ اور حقیقت سے تبدیل ہو جائے گا، پھر قلب عشق الٰہی سے اس طرح جوش مارے گا جیسے ہانڈی آگ پر جوش مارتی ہے "له از یز کازیز المرجل" پھر قریب و پاس بیٹھنے والے بھی اس کی حرارت سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، پھر دل کا حال وہ

ہوجاتا ہے جو کسی شاعر نے کہا ہے:

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار

جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

اسی طرح ماسوا اللہ دنیا واس کی حقیقت دل سے اس طرح نکلتی ہے کہ پھر اس کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی، پھر حال یہ ہوجاتا ہے:

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم

با میر خاں بگوئے کہ روزی مقدار است

پھر اس مقام پر پہونچ کر قلب اس کا مصداق ہوجاتا ہے ''**قلب المؤمن بیت اللہ**''، پھر جس واوثان کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ پھر قلب اس لائق ہوجاتا ہے کہ شیشہ سے زیادہ اس کی حفاظت کی جاتی ہے اور یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوتا۔

کعبہ کو ڈھانے والے وہ اور کوئی ہوں گے

ہم کفر جانتے ہیں دل توڑنا کسی کا

اور جب اسم ذات کا ذکر کرے خواہ دوضربی ہو یا ایک ضربی اس وقت یہ تصور ہو کہ اللہ کی محبت کو اپنے دل میں بھر رہا ہوں اور پوری قوت کے ساتھ اتنی ضرب لگائے کہ بے خودی کی کیفیت پیدا ہوجائے اور بغیر ذکر کے چین نہ ملے۔

ذکر اسم ذات کی مقدار

ذکر دوازدہ تسبیح میں حضرات مشائخ طریقت کا معمول عموماً یہ رہا ہے کہ وہ اثبات ونفی اور اثبات مجرد میں اضافہ نہیں فرماتے، البتہ اسم ذات میں بالتدریج اضافہ کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ ایک لاکھ پچیس ہزار تک اسم ذات کا ایک دن میں ذکر سالکین نے کیا ہے، پھران کا حال وہ ہوجاتا ہے جو کسی نے کہا ہے۔

من تن شدم تو جاں شدی من جاں شدم تو تن شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اسم ذات کے ذکر کا اعلیٰ وانتہائی مرتبہ 125000 ایک لاکھ پچیس ہزار ہے اور ادنیٰ کم از کم مرتبہ 12000 بارہ ہزار ہے اور درمیانی مرتبہ 24000 چوبیس ہزار ہے۔ اپنی قوت وطاقت کا لحاظ رکھتے ہوئے بالتدریج باجازت مرشد وشیخ اضافہ کرتا رہے تا آنکہ اعلیٰ مرتبہ ومقام تک پہونچ جائے۔ اور ذکر لسانی اس کے قلب کو دائمی ذکر میں مشغول کردے، اس طرح ذکر کی یہ ترکیب کامل ہوجائے گی اور جب ترکیب کامل ہوجائے گی تو انشاء اللہ ذاکر مُکَمِّلْ بھی ہوجائے گا۔

کیفیات ذکر

جب ذاکر اصول کے مطابق پوری یکسوئی کے ساتھ پابندی سے ذکر کرتا

رہتا ہے تو ایک دن وہ بھی آتا ہے کہ اس کا مردہ قلب زندہ ہوجاتا ہے اور اسم ذات کی مسلسل ضربوں سے وہ جاگ اٹھتا ہے اور چونکہ قلب سارے اعضاء کا مرکز وسینٹر ہے "ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجسد کله الا وھی القلب" الحدیث۔

اس لئے جب قلب میں حرکت شروع ہوجاتی ہے تو اس کے ماتحت دوسرے اعضاء بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، چنانچہ کبھی ہاتھ میں حرکت شروع ہوجاتی ہے کبھی پاؤں میں حرکت ہونے لگتی ہے، کبھی سر حرکت کرنے لگتا ہے، کبھی اس کا پورا بدن متحرک ہوجاتا ہے، نوبت بایں جارسید کہ ایک وقت وہ بھی آتا ہے کہ پوری کائنات اس کو متحرک نظر آنے لگتی ہے، اس وقت ذاکر کو اپنے شیخ ومرشد کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور اپنے احوال کی اطلاع کرکے ہدایات کے مطابق چلنا چاہئے اور ان کیفیات کے پیدا ہونے سے گھبرانا نہیں چاہئے یہ ذکر کی کیفیات ہیں، لیکن اس کو کمال نہ سمجھے ورنہ ترقی رک جائے گی اور زوال شروع ہوجائے گا بلکہ معمولات کی پابندی رکھے اس لئے کہ یہی ترقی کا زینہ ہے۔

اس کے بعد جب ذکر میں مزید رسوخ پیدا ہوجاتا ہے تو قلب میں ذکر کا نور پیدا ہوتا ہے، پھر وہ نور بالتدریج قلب سے ماتحت اعضاء کی طرف منتقل ہوجاتا ہے تا آنکہ پورے جسم میں وہ نور پھیل جاتا ہے جس کے نتیجہ میں انوارات کا ظہور شروع ہوجاتا ہے، کبھی کبھار انکشافات بھی شروع ہوجاتے ہیں جس کو کشف کہتے ہیں۔

اس موڑ پر پہونچ کر سالک کو چاہئے کہ ان امور کی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ مقصود کی طرف چلتا رہے، یہ سب اس طریق کی کھاڑیاں ہیں جوان خاروں میں الجھا وہ تنزل کی کھاڑی میں جا گرتا ہے، مکشوفات کا اظہار نہ ہو حضرات صوفیاء مکشوفات کو اس طرح چھپاتے ہیں جس طرح حائضہ عورت کرسف کو چھپاتی ہے اور نہ ہی اس کو کمال سمجھے بلکہ مقصود، دیدار باری ہے رضائے باری ہے، حب وعشق باری ہے، عرفان باری ہے، لہٰذا سالک کو اپنے شیخ کا درباری بنے رہنا چاہئے چونکہ ابھی وہ دُرِ بار نہیں ہوا ہے جو بار ہوئے ہیں وہ ان امور کی طرف بار بار کیا ایک بار بھی نہیں دیکھتے وہ چلتے رہتے ہیں۔
ذاکر اس مقام پر پہونچ کر کبھی روتا ہے کبھی ہنستا ہے اس کا حال یہ ہوتا ہے۔

گہ شادم گہ غمگیں از حال خودم غافل　　عالم بیخودی میں، میں شاداں کبھی حزیں کبھی

گہ گریم گہ خندم چوں طفل بخواب اندر　　روؤں کبھی ہنسوں کبھی جس طرح طفل خواب میں

اور کبھی کہنے لگتا ہے:

بہر چیزے جمال یار دیدم　　بہر سو جلوۂ دیدار دیدم

ہمہ دیوانہ از زلف تو روئے　　جنید و شبلی و عطار دیدم

اور کبھی یہ کہتا ہے:

چوں یک جرعہ رسی ازوے بحافظ

ہمہ عقل و خرد بے کار دیدم

کبھی ذاکر یہ کہتا ہے:

دریا رود از چشمم لب تر نہ شود ہرگز　　دریا بہاؤں آنکھ سے پھر بھی رہوں میں خشک لب
ایں رمز عجائب بیں لب تر نہ بآب اندر　　رمز عجیب دیکھیے تشنہ ہوں جوئے آب میں

لیکن ان سب کے باوجود سالک کو چلتے رہنا چاہئے اور یہ کہتے رہنا چاہئے:

جو مانگا ہے جو مانگیں گے وہی لیں گے وہی لیں گے
مچل جائیں گے روئیں گے کہیں گے ہم یہی لیں گے

اپنا کمال نہ سمجھے

لیکن ان احوال وکیفیات کو اپنا کمال نہ سمجھے بلکہ اپنے مرشد وشیخ کا فیض سمجھے اور اپنے قلب پر نگاہ رکھے اور معمولات میں لگا رہے، اگر اپنا کمال سمجھا پھر وہیں سے زوال شروع ہوجائے گا۔ اس طریق کے بہت سے شہسوار انہیں امراض کے شکار ہوکر مقصود سے دور جا پہونچے، اس لئے احتساب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

طریقت کی رکاوٹیں

کبھی ذاکر انتشار وتشتت قلبی کا شکار ہوجاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انبساط قبض سے تبدیل ہوجاتا ہے، ذکر میں دل نہیں لگتا، معمولات سے طبیعت گھبراتی

ہے، بے کیفی پیدا ہو جاتی ہے، لغو و بے کار خیالات کا شکار ہو جاتا ہے۔اس کے مختلف اسباب ہیں، کبھی اپنے اوپر بہت سی غیر ضروری پابندیوں کے عائد کر دینے کی وجہ سے ہوتا ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ مباحات کا استعمال شروع کر دے اور عائد کردہ پابندیوں کو تا واپسی انبساط اٹھا دے۔کبھی منکرات وممنوعات کے ارتکاب کی وجہ سے ہوتا ہے، ایسی صورت میں ان منکرات ومحظورات کو فوراً ترک کر دے اور اس سے توبہ واستغفار کرے، کبھی نا جنسوں کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے ہوتا ہے، ایسی صورت میں ان لوگوں کی مجالست ومصاحبت ترک کر دے۔کبھی اپنے مرشد کی بے حرمتی اور اس کے سلسلہ میں غیر مناسب تصورات و ہفوات کی وجہ سے ہوتا ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ فوراً اپنے مرشد سے معافی مانگے اور ادب واحترام کو بحال کرے۔

کبھی حقوق العباد کی کوتاہی اور غلط مال کے استعمال کی وجہ سے ہوتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ ''ادوا کل ذی حق حقه'' الحدیث ہر صاحب حق کا حق ادا کرے اور غلط مال کو واپس کرے جس کا حق دبایا ہو اس کو واپس دے۔

قبض کے اسباب مختلف ہیں

ا۔کبھی قبض گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے ہوتا ہے اس میں توبہ واستغفار کی ضرورت پڑتی ہے۔

۲۔کبھی دماغ کی خشکی یا اور کسی بیماری کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ صورۃً قبض

ہوتا ہے جس میں علاج کی ضرورت پڑتی ہے۔

۳۔کبھی کسی ناگوار طبع امر کے پیش آجانے کی وجہ سے ہوتا ہے اس کا علاج اس ناگوار چیز کا ازالہ ہے۔

قبض سے کبھی سالک کی پستی اور انکساری منظور ہوتی ہے اس لئے قبض طاری کردیا جاتا ہے تاکہ سالک میں یہ صفت پیدا ہوجائے اور تعلی ختم ہوجائے قبض کی ضد بسط ہے۔

بسط کہتے ہیں محبوب کی تجلی جمال یعنی آثار لطف وفضل کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کو فرحت وسرور حاصل ہونا۔

اسی طرح حضرات صوفیاء کے یہاں جذب اور سلوک کا بھی استعمال ہوتا ہے سلوک کہتے ہیں مقامات کے توسط سے نسبت کے حصول کو، جذب، کہتے ہیں بلاتوسط مقامات نسبت کے حصول کو سلوک میں پہلے اعمال کے ذریعہ صفات حمیدہ میں رسوخ پیدا ہوتا ہے اس کے بعد کشش ہوتی ہے۔

اور جذب میں پہلے کشش ہوتی ہے پھر اعمال کی توفیق ہوتی ہے۔

قبض باطنی کے ازالہ کا طریقہ

حضرات مشائخ طریقت نے قبض باطنی کے ازالہ کا ایک مخصوص نسخہ بھی تجویز

کیا ہے جس کے استعمال کے بعد انبساط کے آنے کی پوری امید ہے۔ غسل کر کے نیا کپڑا پہن کر خوشبو لگا کر خلوت خانہ میں بیٹھ جائے اور تین مرتبہ سورہ اخلاص تین مرتبہ معوذتین پڑھ کر بائیں مونڈھے کی طرف دم کر دے، اس کے بعد دو رکعت نفل پڑھ کر یہ کلمات پڑھے "**اللھم طھر قلبی عن غیرک و نور قلبی بنور معرفتک ابداً ابداً یا اللہ یا اللہ**"، چند مرتبہ اس کو پڑھنے کے بعد ذکر میں مشغول ہو جائے۔ اس کے لئے مخصوص ذکر یہ ہے کہ بائیں طرف یا نور دائیں طرف یا نور اور قلب پر یا نور کی مسلسل ضرب لگائے، اس طرح مسلسل دو چار مرتبہ طریقۂ مذکورہ بالا کو اپنانے سے انشاءاللہ چین وسکون، انبساط وانشراح، دلجمعی ویکسوئی حاصل ہو جائے گی۔

اسی طرح یااللہ۔ یا فتاح، یا باسط، ان کلمات عالیہ میں سے کسی کلمہ کی ضرب قلب اور دائیں بائیں شانہ پر لگائے تب بھی بے چینیٔ طبع کا ازالہ ہو جاتا ہے، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ اپنے شیخ ومرشد کو اپنے حالات سے ضرور آگاہ کر دے اور وہ پھر جو نسخہ تجویز کرے اسی کو اولیت واہمیت دے۔

بیان خطرات

حضرات سالکین کو چاہئے کہ مواضع خطر کو بھی ذہن میں رکھیں تا کہ ذکر سہ ضربی و چہار ضربی کے وقت کام دے سکے۔ حضرات صوفیاء نے دائیں گھٹنے میں خطرۂ

نفسانی اور بائیں گھٹنے میں خطرۂ شیطانی اور دائیں شانہ میں خطرۂ ملکی اور قلب میں خطرۂ رحمانی کی تصریح کی ہے، لہٰذا ذاکر کو چاہئے کہ بوقت ذکر ان خطرات کو ذہن میں رکھے۔

توجہات شیخ

ارباب باطن کے یہاں توجہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی افادیت سے انکار کی گنجائش نہیں نفس توجہ تو دیگر حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے، چنانچہ حضرت تھانویؒ نے ایک پرندہ کے بارہ میں لکھا ہے کہ پہاڑ کی چوٹی پر انڈا دینے کے بعد اپنی توجہ ہی کے ذریعہ انڈے کو سیتی ہے، یہاں تک کہ اس سے بچہ باہر نکل آتا ہے، اہل کمال اہل نظر کی نظر میں یہ ایک حقیقت ہے، حضرات مشائخ کرام بھی اپنے مریدین، مسترشدین، متعلقین، محبین کی طرف توجہ فرماتے ہیں اور اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں، یہ توجہ غائبانہ اور حاضرانہ دونوں طرح ہوتی ہے، حاضرانہ توجہ تو اس طرح ہوتی ہے کہ مرشد اپنے کو مکمل یکسو اور ہر طرح سے خالی الذہن ہو کر اپنے مسترشد کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس تصور کے ساتھ قلب کو مرید کے قلب کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ کیفیات کو قلب مرید میں جذب کر رہا ہوں اور کبھی مرید کو سامنے بٹھا کر اپنے قلب کو مرید کے قلب کے قریب و مقابل کر کے شیخ اسم ذات کی ضرب اس کے قلب پر لگاتا ہے جس کی تعداد ایک سو ایک ہوتی ہے اور شیخ اس طرح مرید کے خوابیدہ قلب کو

بیدار کر کے اس کو اللہ کے پاک نام سے لذت آشنا کر دیتا ہے اور اپنی قلبی حرارت کے ذریعہ مرید کے قلب کو بھی گرما دیتا ہے، پھر جس طرح وہ انجن جس میں اسٹیم تیار ہو تو وہ چلنے لگتا ہے اور چلتا چلا جاتا ہے، اسی طرح ایسا مرید بھی شیخ کی توجہ کے طفیل چلنا شروع کرتا ہے تو چلتا چلا جاتا ہے۔

یہ تو توجہ حاضرانہ ہے، غائبانہ توجہ اس طرح ہوتی ہے کہ شیخ مکمل یکسوئی کے ساتھ اپنے مرید و مسترشد کا تصور کرتا ہے اور اس کے بعد اس کی طرف فیضان فیض کرتا ہے اور وارلس کی طرح جس میں کوئی تار نہیں پھر بھی پیغام رسانی ہوتی ہے قلب شیخ سے قلب مرید کی طرف فیضان فیض ہوتا ہے۔

اسی طرح کبھی مرید کو اپنے مرشد و شیخ کے تصور کی ضرورت پڑتی ہے گو کہ اہل ظاہر کے نزدیک یہ کوئی چیز نہیں، لیکن ارباب باطن اور اصحاب معنی نے اس کی افادیت وضرورت کو تسلیم کیا ہے۔

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ میدارد
برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنیٰ را

چنانچہ متعدد واقعات اس کی افادیت کے سینوں اور سفینوں میں موجود ہیں۔

حضرت شاہ وصی اللہ صاحب کے ایک مرید کا واقعہ

حضرت مولانا عبد الحلیم صاحبؒ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری ثم

الہ آبادیؒ کے ایک مرید باصفا کا واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک بار ٹرین کا سفر تھا کنارہ والی سیٹ پر مرید صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور اسی کیبن میں ایک موٹا پنڈت مرتاض قسم کا بیٹھا ہوا تھا اس نے سفید پوش داڑھی والے میاں صاحب کو اپنے سامنے دیکھا تو اس نے شرارت کی اور تصرف کرنا شروع کیا مرید نے جب محسوس کیا کہ قلب کی کچھ حالت دیگر گوں ہو رہی ہے تو فوراً گردن جھکا کر آنکھ بند کی اور تصور شیخ میں مصروف ہو گیا، کچھ دیر کے بعد کیفیت بحال ہو گئی اور سکون ہو گیا۔ الغرض اس طرح تین بار پنڈت نے تصرف کیا اور تینوں مرتبہ مرید نے تصور شیخ کے ذریعہ اس کے تصرف کو کاٹ دیا تب پنڈت نے کہا جاؤ بچ گئے تمہارا پیر بہت مضبوط ہے۔

یہ قصہ واپسی پر مرید نے حضرت شاہ صاحبؒ کو سنایا تو حضرت نے کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ یہ فرمایا بہت اچھا کیا اللہ نے تمہاری حفاظت فرمائی۔ قلب کا متوجہ ہونا،فکر ہونا، دعائیں کرتے رہنا، یاد رکھنا، پوچھتے رہنا انہی امور کا حاصل توجہ ہے اور انہی راستوں سے شیخ کا فیضان باطنی ہوتا رہتا ہے۔

تصور شیخ

تصور شیخ ایک خاص عمل کو کہتے ہیں جس کا قدیم صوفیاء کے یہاں رواج تھا

اور معمول بھی تھا، بلکہ حضرت تھانویؒ نے بھی اپنے بعض مسترشدین کو تصور شیخ کے عمل کی اجازت دی اور بعض مسترشدین نے بعض امراض قلبیہ کے ازالہ کے لئے تصور شیخ کی اجازت چاہی تو استصواب میں جواب مرحمت فرمایا۔

تصور شیخ کا حاصل یہ ہے کہ طبعی تشتت اور امراض روحانی وقلبی، ہموم وغموم کے ازالہ کے لئے پوری یکسوئی کے ساتھ مسترشد مراقب ہوجائے اور گردن جھکا کر قلب کی طرف متوجہ ہوکر کچھ دیر اپنے شیخ ومرشد کی شکل وصورت کو دل و دماغ میں لائے اور شیخ کے فیضان اور توجہ کی مبذولیت کے ساتھ اتنی دیر اس میں مستغرق ہوجائے کہ قلب وذہن کو یکسوئی اور فرحت اور دلجمعی حاصل ہوجائے، اس تصور سے بہت سے امور فاسدہ کا انسداد بھی ہوجاتا ہے اور ازالہ بھی۔

زمانہ قدیم میں حضرات صوفیاء کے یہاں اس تصور کو تصدیق کا درجہ حاصل تھا اور بہت سے مسترشدین باطنی امراض کے ازالہ کے لئے استعمال کرتے رہے اور ان کو خاطر خواہ نفع بھی ہوتا رہا۔

لیکن بعد کے کچھ علماء وصوفیاء نے اس پر نقد شروع کردیا جس کی وجہ سے عمومی طور پر حضرات مشائخ کے یہاں اس کی تلقین موقوف کردی گئی، لیکن جزئی طور پر اس کے اثبات سے انکار نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے اور ضابطہ ہے کہ سلب کلی کے ابطال کے لئے اثبات جزئی کافی ہوا کرتی ہے۔

لہٰذا کلی طور پر اس کی اجازت بھی نہیں دی جاسکتی، شیخ سالک ومسترشد کے

حالات کوملحوظ رکھتے ہوئے اس کی اجازت دے سکتا ہے۔

لطائف ستہ کی تعیین

حضرات صوفیاء کرام کے یہاں لطائف ستہ کے نام سے چھ لطیفے مشہور ہیں جوانوار و برکات کے محل ہیں، سالکین کی توجہات کے مراکز ہیں جن سے بڑے بڑے دانا ناواقف ہیں، بڑوں کی مجلس میں ناکارہ نے بارہا یہ سوالات بڑوں کی زبانی سنا ہے، دل چاہتا ہے کہ لطائف ستہ کی تعیین ان کی جگہیں، ان کے انوارات کا بھی ذکر ہوجائے، تاکہ سالکین کے پیش نظر رہے۔ لطائف ستہ (۱) لطیفہ قلبی (۲) لطیفہ روحی (۳) لطیفہ نفسی (۴) لطیفہ سری (۵) لطیفہ خفی (۶) لطیفہ اخفی۔

مواضع لطائف ستہ

(۱) لطیفہ قلبی کا محل بائیں پستان سے دو انگلی نیچے ہے (۲) لطیفہ روحی کا محل داہنے پستان سے دو انگلی نیچے ہے (۳) لطیفہ نفسی کا محل ناف کے نیچے ہے (۴) لطیفہ سری اس کی جگہ سینہ کے درمیان ہے (۵) لطیفہ خفی کا محل ابرو (بھنو) کے اوپر یعنی پیشانی ہے (۶) لطیفہ اخفی کا محل ام الدماغ ہے۔

انوارات لطائف ستہ

(۱)لطیفۂ قلبی کا نور سرخ ہے	(۲)لطیفۂ روحی کا نور سفید ہے
(۳)لطیفہ نفسی کا نور زرد (پیلا) ہے	(۴)لطیفہ سری کا نور سبز ہے
(۵)لطیفہ خفی کا نور نیلا ہے	(۶)لطیفہ اخفی کا نور سیاہ ہے

اذ کار لطائف ستہ

لطائف ستہ کے ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر آنکھ اور ہونٹ بند کر لے اس کے بعد سانس ناف کے نیچے سے لے کر قلب میں اس کو روک دے، اس کے بعد لفظ لا کو ناف سے نکال کر گلے تک پہونچائے اور الٰہ کو گلے سے شروع کرے اور لطیفہ روحی تک پہونچائے اس کے بعد الا اللہ کی ضرب دل پر اس طرح لگائے کہ اس کا اثر تمام لطیفوں پر پہونچے۔

ذاکر کو چاہئے کہ یہ ذکر ایک سانس میں ایک ہی دفعہ کرے اور بالتدریج آگے بڑھتا رہے اور اکیس مرتبہ پر آ کر روک دے، لیکن اگر اس سے آگے بڑھنا ہو تو اپنی قوت و ہمت کا خیال رکھتے ہوئے آگے بڑھے۔ البتہ طاق عدد کا ضرور خیال رکھے اور اسی طرح مدو شد کا بھی خیال رکھے تا کہ اس کا اثر ظاہر ہو اور اس کی لذت حاصل ہو،

نیز ذاکر کو چاہئے کہ اس ذکر میں غیر اللہ کی نفی اور خدا کی ذات کے اثبات کا تصور کرے اور یہ تصور بالتدریج اس درجہ آگے بڑھے کہ نفی کے وقت اپنے وجود کی بالکلیہ نفی ہوجائے اور اثبات کے وقت ذات باری وصفات باری کا مکمل ظہور ہونے لگے۔

دل کے دوراستے

ذاکر کو یہ بھی جاننا چاہئے کہ ہر انسان کے قلب میں دومنافذ (سوراخ) ہیں، ایک اوپر کی طرف جس کا تعلق جسم سے ہے دوسرا نیچے کی طرف جس کا تعلق روح سے ہے، جب ذاکر اپنے کو مکمل طور پر ہر چہار جانب سے ذکر میں مصروف کر لیتا ہے تو اس کے قلب کا اوپر والا دروازہ کھل جاتا ہے، لیکن قلب کا نیچے کا دروازہ بغیر ذکر خفی (حبس دم) کے نہیں کھلتا ہے، اس لئے حضرات چشتیہ وقادریہ نے حبس دم کو اذکار میں اصل الاصول اور شرط قرار دیا ہے، البتہ حضرات نقشبندیہ اس کو شرط تو نہیں قرار دیتے لیکن اس کی افادیت اور اولیت کے وہ بھی قائل ہیں۔

انوارات مختلفہ

ذکر کے انوارات کا وجود میں آنا ذکر کے لوازمات میں سے ہے جب ذاکر

اس مقام پر پہونچ جاتا ہے کہ زبان کے ساتھ اس کا قلب بھی ذاکر ہو جاتا ہے اور ذکر ذاکر کے تمام اعضاء میں سرایت کر جاتا ہے تو اس کے بعد مختلف قسم کے انوارات کا ظہور ہونے لگتا ہے، درج ذیل سطور میں ان انوارات کا تعارف کرایا جا رہا ہے تا کہ ذاکر کو سمجھنے میں آسانی ہو، لیکن یہ یاد رکھنا بے حد ضروری ہے کہ ان انوارات کے ظہور کو ذاکر کمال نہ سمجھے ورنہ ترقی رک جائے گی۔

(۱) اگر داہنے شانے کی طرف کسی رنگ کا ظہور ہو تو اسے فرشتوں کا نور سمجھے۔

(۲) اگر داہنے مونڈھے سے کچھ ہٹ کر یا آنکھوں کے برابر کوئی نور ظاہر ہو تو اسے مرشد کا نور سمجھے۔

(۳) اگر بائیں شانے کی طرف کسی نور کا ظہور ہو تو اسے دنیا یا شیطان کا نور سمجھے۔

(۴) اگر سبز پوش کوئی انسان ظاہر ہو تو وہ فرشتہ ہے جو ذاکر کی حفاظت کے لئے آیا ہے۔

(۵) اگر دھوئیں یا آگ کے رنگ کا نور سینہ یا ناف کے اوپر سے ظاہر ہو تو اسے خناس کا نور سمجھے۔

(۶) اگر سرخ یا سفید زردی مائل نور دل سے نکلتا ہوا ظاہر ہو تو اسے دل کا نور سمجھے۔

(۷) اگر خالص سفید نور ظاہر ہو تو اسے روح کا نور سمجھے۔

(۸) اگر سفید نور سر کی جانب سے ظاہر ہو تو اسے بھی روح کا نور سمجھے۔

اگر کسی ذاکر کو ان انوارات میں سے کوئی بھی نور دیکھائی نہ دے تو وہ مایوس نہ ہو اور اس کی وجہ سے ذکر ترک نہ کرے اس لئے کہ انوارات کا ظہور مقصود اور مطلوب نہیں ہے۔

ناسوت، ملکوت، جبروت کی تشریح

اذکار کے مختلف انواع واقسام ہیں ان میں ایک ذکر ناسوتی ہے، اسی طرح ایک ذکر کا نام ملکوتی ہے، اسی طرح ایک ذکر کا نام جبروتی ہے۔

اس زمانہ میں بہت سے ذاکرین وہ ہیں جنہوں نے یہ نام بھی نہیں سنے ہیں، ان کے سامنے جب ذکر ناسوتی، ملکوتی، جبروتی کا نام آتا ہے تو وہ حیران و پریشان ہو جاتے ہیں کہ یہ کون سا ذکر ہے، ہم نے تو آج تک ان کا نام بھی نہیں سنا ہے۔ اس لئے ہر سالک کو چاہئے کہ ان کی تشریحات سے واقف ہوں:

(۱) ناسوت، زمین وآسمان کے درمیان جو جہاں ہے اس کو عالم ناسوت کہا جاتا ہے، اسی کو عالم شہادت و عالم ظاہر بھی کہتے ہیں، چونکہ زمین وآسمان کے درمیان کی چیزیں مرئی ومشاہد ہیں، ان کو ہر بینا دیکھ سکتا ہے۔ اور یہ شریعت یعنی جسم کا راستہ ہے یعنی نماز، روزہ وغیرہ۔

(۲) ملکوت، جو چیزیں غیر مرئی وغیر مشاہد ہیں غیب میں ہیں جن کو ان

فانی آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ ان پر عالم ملکوت کا اطلاق کیا جاتا ہے، اس کو عالم غیب و عالم باطن بھی کہتے ہیں۔ یہ طریقت یعنی دل کا راستہ ہے، اعمال قلبی، حضوری وغیرہ۔

(۳) جبروت، جو چیزیں غیب الغیب میں ہوتی ہیں، ان پر عالم جبروت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اس کو عالم ارواح و عالم غیب الغیب بھی کہتے ہیں اور یہ حقیقت یعنی روح کا راستہ ہے اور روح کے اعمال جیسے شہود و معرفت وغیرہ۔

شیخ شرف الدین یحیٰ منیری جو ہندوستان کے کبار اولیاء میں سے ہیں اور سلسلۂ فردوسیہ کے چشم و چراغ ہیں، صاحب کشف و کرامت بزرگوں میں آپ کا شمار ہے، انہوں نے ان دقیق باتوں کو خوب سمجھا اور بہت سہل انداز میں اس کو سمجھایا ہے۔

انسان تین چیزوں کا مجموعہ ہے

آپ فرماتے ہیں: اس راہ کو طے کرنے کے تین ذرائع ہیں: شریعت، طریقت، حقیقت۔ چونکہ انسان تین چیزوں کا مجموعہ ہے، نفس، دل، روح، لہٰذا ہر ایک کے لئے ایک راستہ مقرر کر دیا گیا ہے، نفس کے لئے شریعت، دل کے لئے طریقت، روح کے لئے حقیقت۔

نفس شریعت کے راستے عالم ملکوت میں داخل ہوتا ہے اور دل کے صفات

اختیار کر کے اس کے ہم رنگ ہو جاتا ہے اور دل طریقت کے راستے عالم جبروت میں پہونچتا ہے اور روح کی صفات اختیار کر کے اس کا ہم رنگ ہو جاتا ہے۔ اور روح حقیقت کے راستے اپنی منزل مقصود کو پہونچ جاتی ہے، اس طرح نفس دل کی طرح ہو جاتا ہے اور دل روح کی طرح۔

انسان کے عناصر اربعہ اور ان کی خصوصیات

انسان کی ترکیب چار عناصر سے ہوئی ہے اور ان چاروں کی خصوصیات الگ الگ ہیں۔

ہر سالک کے ذہن میں وہ چاروں عناصر اور ان کی خصوصیات رہنی چاہئیں تا کہ ان کے ازالہ کی کوشش کرتا رہے۔

(۱) پانی، انسان کی ترکیب میں عناصر اربعہ میں سے ایک عنصر پانی ہے اور اس کی خصوصیت تلون مزاجی، کسی اثر کو جلدی قبول کرنا، لوگوں سے ملنے جلنے کی رغبت ہے۔

لہٰذا اگر ان امور میں سے کسی امر کا ظہور ہو تو اس کا مطلب یہ ہیکہ ابی عنصر اپنا اثر دکھا رہا ہے اور یہ پانی کے اثرات وثمرات ہیں۔

(۲) مٹی، انسان کی ترکیب میں عناصر اربعہ میں سے ایک عنصر مٹی ہے، اور

اس کی خصوصیت اور تاثیر،ظلمت و جہالت،سخت دلی،اور کدورت و کثافت ہے۔

لہٰذا اگر ان امور میں سے کسی امر کا ظہور ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خاکی عنصر اپنا اثر دکھا رہا ہے اور یہ خاک یعنی مٹی کے اثرات وثمرات ہیں۔

(۳) آگ،انسان کی ترکیب میں عناصر اربعہ میں سے ایک عنصر آگ ہے اور اس کی خصوصیت اور تاثیر،کبر،علو،حب جاہ ہے۔

لہٰذا اگر ان صفات میں سے کوئی صفت ظاہر ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ناری عنصر اپنا اثر دکھا رہا ہے اور یہ آگ کا اثر ہے۔

(۴) ہوا۔ انسان کی تخلیق و ترکیب میں عناصر اربعہ میں سے ایک عنصر ہوا ہے اور اس کی خصوصیت اور تاثیر حب مال،تغیر پسندی،شہوات ولذات کی طرف رغبت ہے۔

لہٰذا اگر ان صفات میں سے کسی صفت کا ظہور ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہوائی عنصر اپنا اثر دکھا رہا ہے۔

لطائف خمسہ

لطائف خمسہ(۱) قلب(۲) روح(۳) سر(۴) خفی(۵) اخفی۔

ان میں سے ہر ایک کا ذکر جداگانہ ہے۔

(۱) ذکرقلبی، مذکور کی طرف پوری توجہ سے جوذکر ہواس کوذکرقلبی کہتے ہیں۔ یعنی مذکور سے ایک لمحہ کے لئے بھی ذاکر غافل نہ ہو۔

(۲) ذکر روحی، صفات کی تجلیات اور انوارات کے مشاہدہ کا نام ذکر روحی ہے۔یعنی اگر ذاکر اس مقام پر پہونچ جائے کہ صفات باری کی تجلی شروع ہوجائے اور انوارات کا مشاہدہ ہونے لگے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کا لطیفۂ روح ذاکر بن چکا ہے اور ذکر روحی کا مرتبہ حاصل ہوگیا ہے۔

(۳) ذکر سر، مذکور میں محو اور مستغرق ہوجانا جس کو فنا بھی کہتے ہیں۔اگر ذاکر اس مقام پر پہونچ جائے کہ وہ مذکور میں ایسا محو ہوجائے کہ دنیا و مافیہا کی اس کو خبر نہ اور اسی میں وہ غرق ہوجائے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کا یہ لطیفہ کامل ہوگیا ہے اور اس کو ذکر سر کا مرتبہ حاصل ہوگیا ہے۔

(۴) ذکر خفی، یہ نام ہے ذات باری کے جمال کے انوارات کا۔اگر کوئی ذاکر اس مقام پر پہونچ جائے کہ اس کو ذات باری کے جمال کے انوارات کا مشاہدہ شروع ہوجائے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کو ذکر خفی کا مقام حاصل ہوگیا ہے۔

(۵) ذکر اخفی۔ یہ نام ہے رذائل فخر، کبر وغیرہ کے ازالہ کا، اگر کوئی ذاکر اس مقام پر پہونچ جائے کہ فخر و کبر وغیرہ رذائل اس سے مکمل نکل جائیں، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کو ذکر اخفی کا مقام حاصل ہوگیا ہے۔

لطائف خمسہ کے ذکر کے ثمرات

(۱) لطیفۂ قلبی کے جاری ہونے کی علامت یہ ہے کہ سالک کا دل نفسانی خواہشات کے بجائے محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے اور شریعت مطہرہ کے مطابق عمل کرنے کا شوق پیدا ہوجاتا ہے، قلب کے جاری ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس کا دل حرکت کرنے لگے یا اسے کشف ہونے لگے؛ بلکہ سالک کے پیش نظر صرف رضاء الٰہی ہونی چاہیئے۔

الغرض محبوب حقیقی کی طرف دل کا متوجہ ہونا اور شریعت مطہرہ پر عمل کا شوق پیدا ہونا یہ لطیفۂ قلبی کے جاری ہونے کا ثمرہ ہے۔

(۲) لطیفۂ روح کے جاری ہونے کی علامت یہ ہے کہ طبیعت میں صبر کی صفت پیدا ہوجاتی ہے اور غصہ پر قابو کرنا آسان ہوجاتا ہے، لہٰذا اگر کسی ذاکر میں یہ دونوں صفات پیدا ہوجائیں تو یہ دلیل ہے اس کے لطیفۂ روح کے جاری ہونے کی، الحاصل طبیعت میں صبر و تحمل کا پیدا ہونا غصہ پر قابو کرنا آسان ہوجائے، تو یہ ثمرہ ہوتا ہے لطیفۂ روح کے جاری ہونے کا۔

(۳) لطیفۂ سرّ جاری ہونے کی علامت یہ ہے کہ ذکر کے وقت عجیب و غریب کیفیات ظاہر ہونے لگتی ہیں اور حرص و ہوس میں کمی پیدا ہونے لگتی ہے اور نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے کا شوق پیدا ہوجاتا ہے، اگر کسی ذاکر میں یہ صفات پیدا

ہو جائیں تو یہ دلیل ہے اس کے لطیفۂ سرّ کے جاری ہونے کی اور ان صفات کا پیدا ہونا یہ ثمرہ ہے لطیفۂ سرّ کے جاری ہونے کا۔

(۴) لطیفۂ خفی کے جاری ہونے کی علامت یہ ہے کہ صفات رذیلہ حسد، بخل وغیرہ سے ذاکر کو بیزاری حاصل ہو جاتی ہے، لہٰذا اگر کسی ذاکر کو یہ صفات حاصل ہو جائیں تو یہ دلیل ہے ذکرِ خفی کے جاری ہونے کی اور ان صفات کا حصول یہ ثمرہ ہے لطیفۂ خفی کے جاری ہونے کا۔

(۵) لطیفۂ اخفیٰ کے جاری ہونے کی علامت یہ ہے کہ ذاکر کے قلب سے فخر، کبر، علو جیسے رذائل دور ہو جاتے ہیں، لہٰذا اگر کسی ذاکر سے یہ رذائل دور ہو جائیں تو یہ دلیل ہے کہ اس کے لطیفۂ اخفیٰ کے جاری ہونے کی اور ان رذائل سے دوری یہ ثمرہ ہے لطیفۂ اخفیٰ کے جاری ہونے کا۔

مقاماتِ لطائف خمسہ کی تعیین

(۱) لطیفۂ قلب، دل انسان کے جسم میں بائیں پستان کے نیچے دو انگلی کے فاصلے پر قدرے پہلو کی جانب واقع ہے۔

(۲) لطیفۂ روح۔ روح کا مقام داہنے پستان کے نیچے دو انگلی کے فاصلے پر قدرے پہلو کی جانب واقع ہے۔

(۳)لطیفۂ سرّ، سرّ کی جگہ بائیں پستان کے برابر دوانگلی سینے کی طرف مائل ہوکر ہے۔

(۴)لطیفۂ خفی کا مقام دائیں پستان کے برابر دوانگلی سینے کی طرف مائل ہے۔

(۵)لطیفۂ اخفی، اس لطیفہ کا مقام وسط سینہ ہے۔

ذکر کے مختلف اسماء اوران کے طریقوں کا بیان

حضرات صوفیاء کی اصطلاح میں ذکر کے بہت سے نام ہیں اور بہت سے اقسام ہیں، درج ذیل سطور میں ان اذکار کے نام اور طریقے بیان کئے جاتے ہیں تا کہ جوحضرات ان سے نا آشنا ہیں کم ازکم اسماً ورسماً ہی سہی آشنا تو ہوجائیں، اگرچہ ہمارے اکابر و اسلاف و مشائخ طریقت ان تمام مراحل سے گزر چکے ہیں اور ان حضرات کی خانقاہیں کسی زمانہ میں ان اذکار سے مکمل طور پر آباد تھیں، لیکن افسوس آج توان اذکار کے ناموں سے بھی لوگ آشنا نہیں رہ گئے، اگر کسی نے اس طریق میں قدم بھی رکھا تو دوازدہ تسبیح تک ہی وہ رہ گئے۔

(۱)ذکرناسوتی　　(۲)ذکر ملکوتی

(۳)ذکرجبروتی　　(۴)ذکرلاہوتی

(۵)ذکرقلندری　　(۶)ذکرحدادی

(۷)ذکرارہ　　　　(۸)ذکر جاروب القلب

(۹)ذکر سرمدی　　　　(۱۰)سلطان الاذکار

یوں تو حضرات سالکین کے یہاں اس کے بھی آگے اور اذکار ہیں، لیکن خادم انہیں اذکار عشرہ کے ذکر پر اکتفاء کرتا ہے مقصد اذکار واشغال ذاکرین کا صرف نمونہ پیش کرنا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے مشائخ کن کن مجاہدات سے گزر کر اس مقام تک پہونچتے تھے جن کو دیکھنے کو آج ہماری نگاہیں ترستی ہیں۔

اب درج ذیل سطور میں ان اذکار کے طریقے بیان کئے جارہے ہیں جن ناموں سے آپ کے کان مانوس ہو چکے ہیں۔

(۱) ذکر ناسوتی۔ لا الہ الا اللہ اثبات ونفی کے ذکر کو ذکر ناسوتی کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ تفصیل کے ساتھ، ذکر دوازدہ تسبیح کا طریقہ، عنوان کے تحت گزر چکا ہے۔

(۲) ذکر ملکوتی۔ اثبات مجرد (الا اللہ) کے ذکر کو ذکر ملکوتی کہتے ہیں، اس کا بھی طریقہ تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔

(۳) ذکر جبروتی۔ اسم ذات (اللہ) کے ذکر کو ذکر جبروتی کہتے ہیں، اس ذکر کا طریقہ بھی ذکر دوازدہ تسبیح کے تحت گزر چکا ہے۔

(۴) ذکر لاہوتی۔ ذکر لاہوتی ''ھوھو'' کے ذکر کو ذکر لاہوتی کہتے ہیں، یہ ذکر کسی ذاکر سے سیکھنا ہوگا صرف کتاب کے پڑھنے سے صحیح انداز تک پہونچنا ممکن نہیں، بلکہ جتنے اذکار ہیں وہ سب اپنے مرشد سے معلوم کرنے کے بعد ہی کیے جاسکتے

ہیں،صرف کتاب پڑھ کر حدتام تک پہو نچنا ناممکن ہے۔

(۵) ذکر قلندری۔ذکر قلندری کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر دوزانو بیٹھ جائے اس کے بعد سر کو ناف کے برابر لے جاکر اسم ذات یعنی لفظ اللہ کی ضرف ناف پر لگائے اور ھو کی ضرب سر کو اٹھانے کے بعد دل پر لگائے اور اس ذکر کو کرتے وقت اپنے دونوں گھٹنوں کو مضبوط پکڑے رہے اور دل و دماغ کی قوت کا لحاظ کرتے ہوئے بتلقین وباجازت مرشد اس ذکر کو بتلائے ہوئے مقدار کے مطابق کرتا رہے، اس کے بعد ایک وقت آئے گا کہ ذاکر خود اس کی لذت سے آشنا ہوجائے گا۔

(٦) ذکر حدادی۔ذکر حدادی کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر دوزانو بیٹھ جائے اور اثبات ونفی کا ذکر اس طرح کرے کہ لاالہ کو بائیں گھٹنے سے شروع کر کے داہنے گھٹنے پر لائے اس کے بعد سر کو داہنے مونڈھے پر پہو نچا کر الہ کو ختم کرنے کے ساتھ دونوں گھٹنوں سے کھڑا ہوجائے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر الا اللہ کی ضرب قلب پر لگائے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر قلب کی طرف پوری قوت سے لاکر اشارہ کرے جیسے لوہار ہتھوڑا اٹھا کر لوہے پر مارتا ہے۔

یہ ذکر بھی انہی اذکار میں سے ہے جس کو سمجھنے کے لئے شیخ کامل اور مرشد کی ضرورت ہے، اس کے بغیر یہ ذکر صرف کتاب کے مطالعہ سے نہ سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ہی عمل میں لایا جاسکتا ہے، اس لئے بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے، کہیں ایسا نہ ہو شوق میں نفع کے بجائے نقصان ہوجائے۔

(۷) ذکر ارہ۔ ذکر ارہ کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر کو چاہئے کہ ذکر شروع کرنے سے پہلے اپنی آنکھ بند کر لے اور زبان کو تالو سے ملا کر الٹی سانس لے اور اسی سانس کے ذریعہ اسم ذات (یعنی لفظ اللہ) کو ناف سے کھینچ کر داہنے مونڈھے تک پہونچائے اور ھو کی ضرب دل پر لگائے جس طرح نجار لکڑی پر ارہ کھینچتا ہے۔

لیکن یہ ذکر بھی انہی اذکار میں سے ہے جو بغیر مرشد کی تلقین کے نہیں کئے جاسکتے۔ نیز اس کی تعلیم بھی کسی کامل شیخ سے لینا ضروری ہے۔

(۸) ذکر جاروب القلب۔ ذکر جاروب القلب کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر دو زانو بیٹھ جائے اس کے بعد اثبات و نفی (لا الہ الا اللہ) کا ذکر اس طرح شروع کرے کہ لا الہ کو بائیں گھٹنے سے شروع کرے اور سر کو داہنے گھٹنے پر لا کر داہنے مونڈھے کی طرف لے جائے اور تھوڑا سا سر کو کمر کی طرف جھکا کر الہ کو ختم کر دے اور وہیں سے الا اللہ کی ضرب شروع کرے اور قلب پر لگائے اور یہ ضرب پوری قوت کے ساتھ لگانی چاہئے۔

(۹) ذکر سرمدی۔ ذکر سرمدی کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر اپنے حواس خمسہ کو انگلیوں سے یا روئی سے بند کر لے اور یکسو ہو کر خیال کرے کہ دماغ کے اوپر سے پانی گرنے کی آواز آرہی ہے اور اس کے سننے میں مکمل یکسو ہو کر مشغول ہو جائے، یہ عمل مسلسل کرنے سے اس کو یہ آواز سنائی دینے لگے گی، ایک دن وہ بھی آئے گا کہ حواس خمسہ کے کھلے ہونے کے باوجود یہ آواز سنائی دے گی جب یہ کیفیت پورے جسم میں سرایت کر جاتی ہے تو پورے بدن سے ایسی آواز آنے لگتی ہے جیسے گنبد سے آواز آرہی ہو۔

(۱۰) سلطان الاذکار۔ ذاکر کو چاہئے کہ سر سے پاؤں تک ہر جوڑ ہر عضو حتیٰ کہ ہر ہر بال کی طرف پوری قوت و یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہوکر اسم ذات (اللہ) کا تصور کرے اور اس میں اس درجہ مشغول ہو کہ جسم کا ہر جوڑ بلکہ ہر ہر بال ذکر کرنے لگے حتیٰ کہ اگر اس کی طرف سے کوئی توجہ ہٹانا چاہے تو توجہ کا ہٹانا ممکن نہ ہو۔

اسم ذات کی ضربوں کے طریقے

اسم ذات یعنی لفظ اللہ کے ذکر کے متعدد طریقے حضرات صوفیاء و سالکین کے یہاں رائج تھے، عنوان بالا کے تحت وہ طریقے نذر قارئین کیے جا رہے ہیں تا کہ اہل شوق و اہل طلب کی معرفت میں اضافہ ہو، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ بغیر شیخ کامل یا مرشد کی اجازت کے ان اذکار کو شروع نہ کریں، اسم ذات کا ذکر ایک ضربی سے ہفت (سات) ضربی تک حضرات مشائخ نے کیا ہے۔

(۱) اسم ذات ایک ضربی۔

ایک ضربی کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر چہار زانو بیٹھ جائے اور آنکھیں بند کر لے اس کے بعد سر کو داہنے مونڈھے کی طرف لے جائے اور پوری قوت کے ساتھ لفظ اللہ کی ضرب قلب پر لگائے۔

(۲) اسم ذات دو ضربی۔

اسم ذات دوضربی کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر چہار زانو بیٹھے اور آنکھیں بند کر لے اور لفظ اللہ کی پہلی ضرب روح (داہنے پستان) اور دوسری ضرب قلب پر لگائے۔

(۳) اسم ذات سہ ضربی۔

اسم ذات سہ ضربی کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر چہار زانو بیٹھے اور آنکھیں بند کر لے اور لفظ اللہ کی پہلی ضرب داہنے گھٹنے پر دوسری ضرب بائیں گھٹنے پر اور تیسری ضرب قلب پر لگائے۔

(۴) اسم ذات چہار ضربی۔

اسم ذات چہار ضربی کا طریقہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا طریقہ پر بیٹھے اور لفظ اللہ کی پہلی ضرب داہنے گھٹنے پر اور دوسری ضرب بائیں گھٹنے پر اور تیسری ضرب روح پر اور چوتھی ضرب قلب پر لگائے۔

(۵) اسم ذات پنج ضربی۔

اسم ذات پنج ضربی کا طریقہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا طریقہ پر بیٹھے اور لفظ اللہ کی پہلی ضرب دائیں مونڈھے پر دوسری ضرب بائیں مونڈھے پر تیسری ضرب آگے اور چوتھی ضرب پیچھے اور پانچویں ضرب دل پر لگائے۔

(۶) اسم ذات شش ضربی۔

اسم ذات شش ضربی کا طریقہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا طریقہ پر بیٹھے اور لفظ اللہ کی پہلی ضرب داہنی طرف دوسری ضرب بائیں طرف تیسری ضرب آگے چوتھی ضرب

پیچھے پانچویں ضرب آسمان کی طرف اور چھٹی ضرب دل پر لگائے۔

(۷) اسم ذات ہفت ضربی۔

اسم ذات ہفت ضربی کا طریقہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا طریقہ پر بیٹھ جائے اس کے بعد لفظ اللہ کی پہلی ضرب دائیں دوسری ضرب بائیں تیسری ضرب آگے چوتھی ضرب پیچھے پانچویں ضرب نیچے چھٹی ضرب اوپر آسمان کی طرف اور ساتویں ضرب دل پر لگائے۔ یہ وہ اذکار ہیں جن کو ہمارے مشائخ نے کیا ہے اور اس کی لذت سے آشنا ہو کر وہ دنیا سے گئے اور ان اذکار میں اینما تولوا فثم وجه الله کا تصور کرے اگر کوئی ذاکر ان اذکار کو پابندی کے ساتھ کرے گا تو اس کو ہر شئ سے ذکر کی آواز سنائی دینے لگے گی اور ہمہ وقت وہ ذکر کے ایک خاص فضا میں رہے گا اور لذت آشنا ہونے کے بعد اس فضا کو چھوڑنا یا اس سے دور رہنا اپنے لئے موت تصور کرے گا۔

پاس انفاس کا طریقہ

پاس انفاس ایک ایسا لطیف و نفیس عمل ہے جس کو کرنے کے بعد قلب کا تنقیہ تصفیہ، تخلیہ، تجلیہ لازمی ہے اور ذاکر کے ذکر کی ترتیب اسی وقت کامل ہوتی ہے جب زبان کے ساتھ قلب بھی ذاکر ہو جائے اور یہ عمل تمام سلسلوں میں رائج ہے، البتہ حضرات نقشبندیہ کے یہاں زیادہ زور ذکر قلبی پر ہے اور زبان کے ساتھ قلب کا ذاکر

ہونا ناممکنات میں سے نہیں ہے۔

ایک عجیب واقعہ

آج سے تقریباً ۲۰؍سال قبل کی بات ہے میں بذریعہ بس بنارس جارہا تھا، بندرا بازار میں بس رکی تو میری سیٹ کے آگے ایک صاحب آکر بیٹھے وضع قطع کے ساتھ چہرہ سے بھی صالح آدمی نظر آرہے تھے، میں نے ان سے پوچھا جناب کہاں سے تشریف لارہے ہیں، انہوں نے بتلایا کہ منگراواں سے آرہا ہوں، میں نے پوچھا رہنے والے کہاں کے ہیں، انہوں نے بتلایا بھوپال کا رہنے والا ہوں۔ میں نے کہا یہاں کیسے آنا ہوا تو انہوں نے کہا اپنے پیر صاحب کے مزار پر حاضری دینے اور فاتحہ خوانی کے لئے آیا تھا، اس کے بعد انہوں نے اپنے پیر صاحب کی ایک بات بتلائی، کہنے لگے میں پیشہ کا وکیل ہوں، بھوپال میں جب میری ان سے پہلی ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا وکیل صاحب کیا یہ ممکن ہے کہ آپ عدالت (کورٹ) میں ہوں آپ کی نگاہ جج پر ہو کان مؤکل کے بیان کی طرف متوجہ ہو دماغ دفاع میں لگا ہو، قلم فریق مخالف کے وکیل کے دلائل کو لکھ رہا ہو اور دل اللہ اللہ کررہا ہو، اللہ کی یاد میں مشغول ہو تو میں نے کہا یہ ناممکن ہی نہیں بلکہ محال ہے، اس کے بعد وہ رونے لگے اور روتے ہوئے بولے اس شخص نے اس محال چیز کو ممکن کر کے دکھا دیا۔

اس کے بعد میں نے خود دیکھا کہ ان کا قلب ذاکر ہوگیا اور اللہ اللہ کرنے لگا اور یہ اسی پاس انفاس کی برکت تھی۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا واقعہ

اس کے بعد خادم کو حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی سنائی ہوئی بات یاد آئی۔ ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا کہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ آرام فرما رہے تھے، ایک صاحب نے قلب پر کان لگایا تو سونے کی حالت میں بھی حضرت مدنیؒ کے قلب سے اللہ اللہ کی آواز آرہی تھی۔

اس خادم کو دوازدہ تسبیح کا تو ذکر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے دیا تھا اور اس کے اہتمام کی تلقین فرمائی تھی، لیکن پاس انفاس کی تلقین خادم کو حضرت مفتی محمود حسن صاحب ہی نے کی تھی اور الحمد للہ ایک طویل زمانہ تک اس پر عمل رہا اور اس کی لذت محسوس ہوئی اور اپنے بہت سے متوسلین کو بھی اس کی تلقین کی۔

حضرات صوفیاء کی اصطلاح میں پاس انفاس دراصل ہر سانس میں ذکر کا نام ہے یعنی کوئی بھی سانس خواہ اندر آنے والی ہو یا باہر جانے والی ہو بغیر ذکر کے نہ ہو۔ یوں تو پاس انفاس کے بہت سے طریقے ہیں لیکن یہاں پر ہم صرف تین طریقے ذکر کریں گے۔

(۱) اثبات ونفی کا ذکر۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ سانس لیتے وقت الا اللہ اور سانس باہر نکالتے وقت لا الــہ کہے، ابتداء مشکل ہوگی، لیکن چند دنوں کے بعد یہ عمل بالکل سہل ہو جاتا ہے، تجربہ شرط ہے۔

(۲) اسم ذات کا ذکر۔

اس کے دو طریقے ہیں (۱) سانس لیتے ہوئے، ''ھوٗ'' کہے اور سانس باہر کرتے ہوئے لفظ اللہ کہے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سانس اندر لیتے ہوئے اللہ کہے اور سانس باہر نکالتے ہوئے ''ھوٗ'' کہے، یہ طریقہ پہلے طریقہ کے مقابلہ میں سہل ہے۔

اس کو بالتدریج مرشد کی اجازت سے بڑھاتا رہے تا آنکہ اس مقدار پر پہونچ جائے کہ قلب ذاکر ہو جائے اور کوئی بھی سانس ذکر سے خالی نہ ہو۔ آدمی چاہے جس کام میں لگا ہو لیکن اس کا قلب اللہ کی یاد میں مصروف ہو۔

مراقبہ کے اقسام اور ان کا طریقہ

حضرات مشائخ مریدین کو مراقبہ کی بھی تلقین فرماتے ہیں، جب ذکر اثبات ونفی اور اثبات مجرد اور اسم ذات میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے اور مرشد یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کو مراقبہ دیا جا سکتا ہے تب مراقبہ کی تلقین فرماتے ہیں۔

مراقبہ دراصل غیر حق اور ماسوااللہ کی یاد سے دل کو محفوظ رکھنے کا ایک عمل ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ مراقب تنہائی میں باوضو باادب دوزانو قبلہ رخ بیٹھے اور پوری یکسوئی کے ساتھ سر جھکا کر اس کا تصور کرے جس کا مراقبہ مقصود ہے، یوں تو حضرات مشائخ کے یہاں مراقبہ کی بہت سی قسمیں رائج تھیں، لیکن ہم یہاں پر ان میں سے صرف چند مراقبوں کا ذکر کریں گے۔

(۱)مراقبہ معیت	(۲)مراقبہ رویت
(۳)مراقبہ موت	(۴)مراقبہ اقربیت
(۵)مراقبہ فنائیت	(۶)مراقبہ وحدت

(۱)مراقبہ معیت کا طریقہ یہ ہے کہ مراقبہ قرآنی آیت **وهو معكم اينما كنتم** اور اللہ معی کو زبان سے کہے اور یہ تصور کرے کہ اللہ ہر جگہ ہر حال میں میرے ساتھ ہے اور اس کا تصور اس قدر کرے کہ مراقب کا یہ حال بن جائے کہ خدا میرے ساتھ ہے۔

(۲)مراقبہ رویت۔

مراقبہ رویت کا طریقہ یہ ہے کہ قرآنی آیت **الم يعلم بان الله يرى** اور اللہ ناظری کا اس درجہ قوت کے ساتھ تصور کرے کہ مراقب کا یہ حال بن جائے۔

(۳)مراقبہ موت۔

مراقبہ موت کا طریقہ یہ ہے کہ قرآنی آیت **كل نفس ذائقة الموت** اور **اينما تكونوا يدرك كم الموت** کا اس درجہ تصور کرے کہ مراقب کا یہ غلبہ حال بن جائے۔

(۴)مراقبہ اقربیت۔

مراقبہ اقربیت کا طریقہ یہ ہے کہ قرآنی آیت **نحن اقرب الیہ من حبل الورید** کا اس درجہ تصور کرے کہ مراقب کی یہ کیفیت بن جائے، اللہ مجھ سے قریب ہے۔

(۵)مراقبہ فنائیت۔

مراقبہ فنائیت کا طریقہ یہ ہے کہ مراقب قرآنی آیت **کل من علیھا فان** کا اس درجہ تصور کرے کہ ہر چیز کی فنائیت کا تصور مبدل بہ یقین ہو کر غلبہ حال بن جائے۔

(۶)مراقبہ وحدت۔

مراقبہ وحدت کا طریقہ یہ ہے کہ قرآنی آیت **ھو الاول ھو الآخر** اور ہمہ اوست کا اس درجہ تصور کرے کہ اللہ کے سوا ہر چیز کا خیال نکل جائے اور ہمہ اوست مراقب کا غلبہ حال بن جائے۔

مراقبہ میں کمال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مراقب کو مراقبہ سے ہٹانا مشکل ہو جائے اور یہ جبھی ہوگا جب مراقب مراقبہ کی لذت سے آشنا ہو جائے اور اس کے اندر محویت پیدا ہو جائے۔

شریعت، طریقت، حقیقت کی وضاحت

حضور اکرم ﷺ کے اقوال، افعال، احوال، تقریرات کو حدیث کہتے ہیں۔
لیکن آپ کے اقوال وارشادات کو شریعت کہتے ہیں اور افعال جو کچھ آپ

نے کیا اس کو طریقت کہتے ہیں، اور آپ کے احوال کو حقیقت کہتے ہیں۔

علم کے باوجود مرشد کی ضرورت

علم سے ایک روشنی حاصل ہوتی ہے لیکن صرف روشنی سے منزل تک رسائی ممکن نہیں مثلاً ایک شخص ہے وہ تاریک رات میں سفر کر رہا ہے اس کے پاس روشنی (ٹارچ) تو ہے لیکن رہبر نہیں اور راستے مختلف ہیں اب روشنی کے باوجود منزل مقصود تک پہنچانے والے طریق سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے پریشان ہے کہ ان راستوں میں سے کس کو اختیار کروں۔ لیکن اگر اس کے ساتھ رہبر یعنی واقف اسرار طریق ہوگا تو طریقت اس کے لئے آسان ہو جائے گی اور اس کی رہنمائی میں بغیر بھٹکے اور بغیر وقت ضائع کئے منزل مقصود پر پہنچ جائے گا لہذا اگر کوئی عالم بھی منزل مقصود تک پہنچنا چاہتا ہے تو اس کو مرشد اور رہبر کی ضرورت ہوگی۔

اسی وجہ سے ہمارے بڑے بڑے اکابر یعنی حضرت گنگوہی حضرت نانوتوی حضرت تھانوی جیسے جبال علم حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے پاس پہنچے اور ان کے ذریعہ طریقت کے منازل کو طے کیا۔

جاہل عابد، اور عالم عابد اور صرف عالم میں فرق

جاہل عابد کی مثال ایسی ہے جیسے تاریکی میں سفر کرنے والا مسافر کہ اس کے

پاس نہ روشنی ہے (علم) اور نہ ہی رہبر ہے اب اس کا اس تاریکی میں جو حال ہوگا وہ ظاہر ہے کہ ایسا شخص ہر قدم پر بھٹکے گا اگر کسی طرف سے بھی آواز آ گئی کہ راستہ ادھر سے ہے تو وہ اسی کو رہبر سمجھ کر اس راہ پر چل پڑے گا، چنانچہ ایسوں کو شیطان خوب بہکاتا ہے۔

عالم: صرف عالم جو عابد نہیں ایسا ہے جیسے تاریکی میں چلنے والا ایسا مسافر جس کے پاس روشنی تو ہے مگر رہبر نہیں جس کی وجہ سے اس کی روشنی اسی کو نفع نہیں پہنچائے گی چہ جائیکہ دوسروں کے لئے یہ رہبر بنے۔

عالم عابد: جیسے تاریکی میں چلنے والا مسافر جس کے پاس روشنی بھی ہے اور رہبر بھی اور اس کی ہدایات پر وہ عمل بھی کرتا ہے یقیناً یہ منزل مقصود تک پہنچے گا۔

پھر کبھی چلنے والا تیز رو ہوتا ہے وہ جلدی پہونچ جاتا ہے اور کبھی چلنے والا بطی السیر (سست رفتار) ہوتا ہے وہ دیر میں پہونچتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے مسافر رہبر سے راستہ میں جنگ کر لیتا ہے جس کی وجہ سے رہبر درمیان طریق سے ہی واپس ہو جاتا ہے، اس وقت یہ مسافر بہت پریشان ہوتا ہے، نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن کا مصداق بن جاتا ہے اور اس کی حالت کبھی سنگین ہو جاتی ہے، اس لئے رہبر کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مسافر کو زعم (گمان) ہو جاتا ہے کہ اصل روشنی تو میری ہی ہے اور یہ سفر میری ہی روشنی سے قطع (طے) ہو رہا ہے، یہ رہبر تو صرف کہیں کہیں ہوں، ہاں کر دیتا ہے۔ یہ خیال بھی غلط ہے مرشد کا کام صرف اتنا ہی ہے اور صرف اتنا بھی کرنے والا کوئی نہ ہو تو مسافر کا سفر مکمل نہ ہوگا۔

ماننا اصل ہے جاننا نہیں

ماننا مقدم ہے جاننے پر، اگر ماننا نہیں آیا تو صرف جان کر کیا فائدہ اور اگر ماننا آ گیا تو جتنا علم ہوتا جائے گا اس پر عمل کرتا جائے گا۔ ہم بچپن ہی سے اللہ کو ایک اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانتے آئے ہیں، بیس پچیس سال کے بعد حدیث، تفسیر، عقائد پڑھا تب جانا ہے اما کو ابا کو مانا بچپن ہی سے اما کو اما اور ابا کو ابا کہتے رہے، دس سال کے ہوئے تب جانا ہے' لہٰذا معلوم ہوا کہ ماننا ہی اصل ہے۔

ایک بار شیطان نے ایک جاننے والے (عالم) سے پوچھا تیرا ایمان مضبوط ہے یا اس جاہل کا جو کندھے پر پھاوڑا لئے جا رہا ہے؟ عالم نے جواب دیا کہ میرا ایمان زیادہ مضبوط ہے۔ شیطان نے کہا کیسے؟ عالم نے کہا میں نے جان کر مانا ہے، میرے پاس وحدانیت پر اتنے دلائل ہیں۔ شیطان نے ایک ایک کر کے ساری دلیلوں کو توڑ دیا اس کے بعد جاہل کے پاس دونوں (شیطان اور عالم) آئے اور اس سے پوچھا خدا ایک ہے یا دو؟ اس نے کہا ایک ہے، شیطان نے کہا اللہ کے ایک ہونے کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ جاہل نے کہا یہ پھاوڑا اگر نہیں مانے گا تو ابھی تیرے سر پر ماروں گا تو خود ایک کے بجائے دو ہو جائے گا یا تو اللہ کو ایک مان لے ورنہ تجھے ابھی دو بنا دیتا ہوں۔ شیطان یہ سن کر اس جاہل کے پاس سے فوراً بھاگ گیا۔

ذکر سے متعلق اہم ہدایات

ذکر و شغل جو خانقاہوں میں کرائے جاتے ہیں اس کا ثمرۂ اصلی اللہ پاک کا قرب اور اس کی رضا کا حصول ہے اللہ راضی ہو جائے اس سے بڑی کوئی دولت نہیں، واردات غیبیہ، حصول کشف و کرامت، ظہور خوارق یہ ثمرۂ اصلی نہیں جنہوں نے بھی اس کو مقصود سمجھا وہ منزل سے دور رہ گئے اس لئے ہر حال میں مقصود پر نظر ہونی چاہئے۔

اسی طرح استقامت علی الذکر ایک مقام رفیع ہے اور حضوریٔ قلب و ذوق وغیرہ حالات ہیں جو کہ محمود ہیں مقصود نہیں اور یہ ذہن میں رہنا چاہئے کہ مقام افضل ہوتا ہے حال سے، البتہ احضار قلب یعنی دل کا متوجہ رکھنا یہ ضروری ہے پھر خواہ اس پر حضور تام مرتب ہو یا نہ ہو۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ استقامت علی الذکر کے حصول کا طریقہ کثرت ذکر ہے اور بس یعنی ذاکر بلا ناغہ پابندی کے ساتھ ہمیشہ ذکر کرتا رہے۔

اور ہر ذاکر کو یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ذکر کی کثرت تو مطلوب ہے ہی لیکن اس پر دوام اس سے زیادہ مطلوب ہے اور دوام چونکہ عادۃً صحت پر موقوف ہے اس لئے صحت بھی مطلوب ہے اگر چہ لغیرہ سہی۔

ہر ذاکر کے ذہن میں یہ بات بھی رہنی چاہئے کہ دوام ذکر سے دل کا انتشار ختم ہوتا ہے عموماً قلبی انتشار کی وجہ عدم دوام ذکر ہوتا ہے اس لئے اپنی طرف سے ذکر کا

التزام رکھے اگر کبھی کبھار عذر شدید کی وجہ سے ناغہ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

ذکر میں لگے رہنا اور کوتاہی پر استغفار کرتے رہنا بھی ایک درجہ میں ذکر ہی ہے چونکہ یہ ترقی کی علامت ہے۔

اسی طرح ذاکر کے ذہن میں یہ بھی رہنا چاہئے کہ ذکر میں اگر لذت نہ آئے تو پریشان نہ ہو جس روز لذت آجائے اس روز اس کو غذا سمجھے اور جس روز لذت نہ آئے اس دن اس کو دواء سمجھے۔

اسی طرح ذاکر کو چاہئے کہ ذکر کا ایک وقت متعین کرے اور روزانہ اسی وقت پر ذکر کرے چونکہ معین وقت پر ذکر کرنے میں زیادہ نفع ہوتا ہے بہ نسبت متفرق اوقات میں ذکر کرنے سے۔

اسی طرح اگر معین مقدار میں ذکر پورا کرنے کے بعد زیادہ ذکر کا تقاضا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں جب تک دل لگے اور ذکر کا لطف حاصل ہو ذکر کرتا رہے۔

اسی طرح اگر ذکر میں تکان معلوم ہو تو ذکر کم کر دے اور تقویت مزاج کی کسی طبیب کے مشورہ سے تدبیر کرے، تاکہ طبیعت میں نشاط پیدا ہو سکے چونکہ نشاط کے ساتھ جو عمل کیا جاتا ہے اس کی حلاوت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ اسی طرح ذکر، تلاوت، نوافل و دیگر عبادات میں یکسوئی حاصل کرنے کی بہت زیادہ کوشش نہ کرے چونکہ اس سے بوجھ اور پریشانی میں اضافہ ہوتا ہے اور پریشانی خواہ کسی چیز کی ہو اس کا اثر قلب پر پڑتا ہے وہ یہ کہ قلب میں پژمردگی پیدا ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے بعض مرتبہ ضروری

وواجبی کام میں بھی تعطل پیدا ہو جاتا ہے اس لئے ذاکر صرف اتنا کرے کہ جو کچھ زبان سے پڑھے ان الفاظ کی طرف متوسط توجہ رکھے اس سے خود بخود وساوس کم ہو جائیں گے۔

لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ اصولی بات صرف مبتدی ذاکر کے لئے ہے ورنہ منتہی کے لئے ذکر میں مذکور کی طرف اور تلاوت میں متکلم یعنی اللہ سبحانہ وتعالی کی طرف توجہ رکھنے سے خیالات لایعنی بند ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح کبھی متعین تعداد کی طرف خیال ہونے سے یکسوئی ختم ہو جاتی ہے اس لئے تعداد کے خیال کو رفع کردے اور جب تک قلب میں انبساط وبشاشت رہے ذکر کرے کمی بیشی کا خیال نہ کرے کیونکہ تعداد مقصود نہیں۔

مگر مبتدی کے لئے بہتر یہ ہے کہ ایسی حالت میں انداز سے وقت کی مقدار معین کرے تاکہ ذہنی وخیالی تشتت وانتشار سے محفوظ رہے۔

البتہ اس انداز کے وساوس کی وجہ سے ذکر، تلاوت، نوافل وغیرہ کو چھوڑا نہ جائے بلکہ حسب توفیق جس قدر ہو سکے کرتا رہے تاکہ اس سے محرومی نہ ہو اسی طرح ذاکرین کو چاہیئے کہ رات کا کھانا کم کھائیں، اور سویرے سونے کی عادت ڈالیں، اور کھانے کے ساتھ پانی کا استعمال کم کریں اور سوتے وقت سورہ کہف کی آخری آیتیں ”إن الذین آمنوا“ سے اخیر تک پڑھنے کا اہتمام کریں اس طرح آخری شب میں جلدی اٹھنے میں مدد ملے گی اور عبادت میں حلاوت ولذت حاصل ہوگی۔

ہر سالک وذاکر کے ذہن میں یہ بات رہنی چاہئے کہ جب بقصد خشوع ذکر، تلاوت، نماز ودیگر عبادات میں مداومت کے ساتھ مشغولی ہوتی ہے تو خشوع اور تمام کیفیات محمودہ ازخود پیدا ہوجاتے ہیں اگر کبھی کیفیات کے پیدا ہونے میں دیر ہوئی تو پریشان نہیں ہونا چاہئے۔

ذکر، تلاوت، نوافل، جتنی مقدار میں بھی ہو سکے کرتا رہے طلب الکل فوت الکل کے تحت ناقدری وبے قدری کرکے ایکدم سے محروم نہیں ہونا چاہئے، جتنا ہوجائے اس پر شکرادا کرے اور بسیار کی جستجو میں لگا رہے۔

ایسا نہ ہو کہ کھاؤں گا تو مرغ پلاؤ ہی کھاؤں گا ورنہ بھوکا رہوں گا۔

اسی طرح ذکر شروع کرنے والا اگر مریض ہو تو پہلے بیماری دور کرکے قوت وصحت حاصل کرلے جب تک صحت وقوت حاصل نہ ہوجائے معمولات شروع نہ کرے البتہ بلا کسی پابندی کے زبان یا قلب سے جو ذکر آسانی سے ہوسکے کرتا رہے۔ اسی طرح اگر کوئی ذکر جہری پر قادر نہ ہو تو سراً آہستہ ذکر کرے ذکر نہ چھوڑے چونکہ مقصود ذکر ہے جہر نہیں۔

اسی طرح کبھی دماغ کی خشکی کی وجہ سے ذاکر کو چکا چوند معلوم ہونے لگتا ہے جس کو ذاکر ناواقفیت کی وجہ سے انوار ذکر سمجھ بیٹھتا ہے لہٰذا ظاہری طبیب سے رجوع کرکے علاج کرائے اور کچھ دنوں کے لئے ذکر وشغل میں مجاہدہ ومشقت کو موقوف کردے۔

اسی طرح ذاکر کے قلب پر سوزش کبھی ذکر کے اثر سے ہوتی ہے اور کبھی مرض کی وجہ سے لہذا پہلے ماہر طبیب سے رجوع کرے اور اگر وہ اطمینان دلائے کہ مرض نہیں ہے تو درج ذیل امور کی طرف توجہ دے (۱) جہر اور ضرب کو ترک کردے (۲) ذکر کے بعد ایک سو بار کم از کم یا باسط پڑھے، (۳) درود شریف گیارہ مرتبہ پڑھ کر پانی پر دم کرکے ہر نماز کے بعد پیا کرے، (۴) حق تعالی کی رحمت کے مضامین کا مطالعہ کرے۔

اگر کیمیائے سعادت یا اس کا ترجمہ اکسیر ہدایت کے باب الرجاء یعنی امید کے باب کا مطالعہ کرے تو بہتر ہے، (۵) مفرحات ومقویات قلب کا استعمال رکھے، اسی طرح اگر اثناء ذکر بلا اختیار چیخ نکل آئے یا ہنسی آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں، ذاکر کو ذکر کے درمیان کبھی کبھار یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں البتہ ارادۃً اپنے اوپر یہ کیفیت طاری نہ کرے۔

اسی طرح ذاکر کو چاہئے کہ سوتے وقت ذکر لسانی نہ کرے چونکہ یہ وقت غلبۂ نینداور کاہلی کا ہوتا ہے کہیں زبان سے کچھ کا کچھ نہ نکل جائے ہاں پاس انفاس یعنی ذکر قلبی میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اسی طرح اگر ذاکر مسجد میں ذکر کررہا ہے اور دوسرے لوگ فرض یا سنت مؤکدہ ادا کررہے ہیں تو ان کی رعایت ضروری ہے اور اگر نوافل میں لوگ مشغول ہوں تب ذکر جہری میں کوئی حرج نہیں (تربیت السالک)۔

اسی طرح لفظ اللہ میں تفخیم اور مدواجبات میں سے نہیں ہے جس کا ترک موجب معصیت ہو بلکہ یہ امر مستحب ہے اور ذکر میں اس امر مستحب کے اہتمام کی وجہ سے توجہ ویکسوئی جو کہ ذکر کی شرط اعظم ہے اس کا فقدان لازم آتا ہے لہٰذا ذاکران چکروں میں نہ پڑے بلکہ توجہ ویکسوئی کے ساتھ جس طرح ممکن ہو اللہ اللہ کرے۔

چند اصطلاحات تصوف

کچھ الفاظ وہ ہیں جن کا استعمال اکثر حضرات صوفیاء کرام کی کتابوں میں ملتا ہے وہ دراصل تصوف کی اصطلاحات ہیں ان کا ایک خاص مفہوم ہے اور انہی مفاہیم میں ان الفاظ کا استعمال ہوتا ہے مثلاً ایک لفظ ہے استغراق۔

استغراق یہ نیند کے مشابہ ہوتا ہے اگر نماز کی ہیئت پر بیٹھا ہو اور یہ کیفیت پیدا ہوجائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا ورنہ وضو ٹوٹ جائے گا۔

اسی طرح اگر وجد کی کیفیت پیدا ہو اور بے ہوش ہوکر گر جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ استغراق اور نوم (نیند) میں فرق یہ ہے کہ استغراق میں قلب بیدار بحق ہوتا ہے اور نوم (نیند) میں بیدار بخلق ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک لفظ قبض ہے جس کا استعمال حضرات صوفیاء کے یہاں ہوتا ہے قبض کہتے ہیں محبوب کی تجلی جلال یعنی آثار عظمت واستغناء کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کا گرفتہ ہونا۔

شیخ کامل کی پہچان

ہر شخص کو اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے کسی شیخ کامل سے وابستہ ہونا ضروری نہیں لیکن اصلاح نفس اور اصلاح باطن وظاہر ضروری ہے لیکن سنت اللہ یہی ہے کہ جب تک شیخ کامل سے وابستگی نہیں ہوتی اس وقت تک پورے طور پر اصلاح نہیں ہوتی اس لئے ہر شخص کو چاہئے کہ شیخ کامل کو تلاش کرے لیکن بغیر علامت کے شیخ کامل کی جستجو ہر ایک کے بس کی بات نہیں اس لئے اس کی کچھ علامتیں بتلائی جاتی ہیں تاکہ عوام کے لئے بھی تلاش کرنا آسان ہو جائے۔

۱۔متقی ہو یعنی کبائر کا ارتکاب نہ کرتا ہو نیز صغائر پر اصرار سے بچتا ہو۔

۲۔تارک دنیا راغب آخرت ہو یعنی حب جاہ و مال اس میں نہ ہو۔

ظاہری اور باطنی طاعات پر مداومت رکھتا ہو۔

۳۔علم شریعت سے بقدر ضرورت واقف ہو خواہ تحصیل علم کے ذریعہ یا علماء وفقہاء کی صحبت کے ذریعہ تاکہ عقیدے اور عمل کے فساد سے محفوظ رہے۔

۴۔ اولیاء ومشائخ اور اللہ والوں کی صحبت اٹھائی ہو اور ان کے فیوض وبرکات حاصل کئے ہوں۔

۵۔مریدوں کی فکر رکھتا ہو اگر کوئی بات خلاف شریعت وطریقت معلوم ہو تو اس پر متنبہ کرتا ہو۔

۶۔اس کی صحبت میں بیٹھنے سے اللہ کی طرف توجہ میں اضافہ ہوتا ہواور دنیوی خیالات کم ہوتے ہوں اور دنیا سے بے رغبتی ہوتی ہو۔

۷۔اولیاء، مشائخ ،علماء،فقراء کے نزدیک عوام کی بہ نسبت اس کی قبولیت زیادہ ہواگر صرف عوام کا رجحان ہواس کا اعتبار نہیں بعض لوگ عوام کی بھیڑ اپنے اردگرد جمع کرواتے ہیں اور اس سے اپنی مقبولیت کا تاثر پیدا کرواتے ہیں یہ غلط ہے یہ حضرات صوفیاء کے طریق کے خلاف ہے۔

۸۔کسی شیخ کامل کی طرف سے اس کو بیعت وارشاد کی اجازت ملی ہو۔

لیکن حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے اصل صلاحیت ہے اگر کسی کے اندر دوسروں کے اصلاح کی صلاحیت ہے اور لوگ اس سے اپنی اصلاح کروانا چاہتے ہیں اور اصلاحی تعلق قائم کرنے والوں کی اصلاح بھی مشاہدہ میں ہے تو ایسے شخص کو کام کرنا چاہئے خواہ کسی کی طرف سے اجازت ہو یا نہ ہو۔

اجازت کوئی واجبی شرط نہیں ہے جو مقصود ہے وہ حاصل ہونا چاہئے۔

۹۔اس کے مریدین میں سے اکثر کی حالت اچھی ہو یعنی اکثر متبع شریعت ہوں اور دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی طرف توجہ زیادہ ہو۔

صحبت شیخ کے منافع

صرف کسی شیخ سے بیعت ہوجانے سے اصلاح نہیں ہوجاتی جو بیعت کا

حاصل ہے بلکہ شیخ کی معیت ومصاحبت بھی ضروری ہے گاہ بگاہ آنا جانا بھی ضروری ہے رابطہ میں رہ کر احوال کی اطلاع بھی ضروری ہے اس کے بعد دی گئی ہدایات پر عمل بھی ضروری ہے۔

آج کے زمانہ میں عموماً مشائخ رمضان کے مبارک ایام میں مکمل ماہ ورنہ کم از کم آخری عشرہ میں کسی مقام پر خانقاہ کی شکل میں متمکن ہوتے ہیں اور فیوض وبرکات کی بارش برساتے ہیں، معرب حضرات کو کم از کم ایک عشرہ کے لئے مبنی بن جانا چاہیئے تاکہ ان کی بنا میں استحکام اور پائیداری پیدا ہوسکے اور سال بھر کے لئے بیٹری چارج ہوسکے۔

۱۔ شیخ کی صحبت میں رہنے سے اور پہنچنے سے وصول الی اللہ میں آسانی ہوتی ہے طریقت کے اصول سمجھ میں آتے ہیں جو وصول میں معاون ومدد بنتے ہیں۔

۲۔ عمل کا شوق بڑھتا ہے اعمال کی حلاوت حاصل ہوتی ہے دل گرم ہوتا ہے جذبۂ عمل میں ابھار پیدا ہوتا ہے، اعمال کے کرنے کو دل چاہتا ہے۔

۳۔ ان کے طرز عمل کو دیکھ کر سبق حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے زندگی میں نظم ونسق پیدا ہوتا ہے فکر آخرت میں اضافہ ہوتا ہے دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور کچھ نہ کرنے پر ندامت ہوتی ہے اور آئندہ کچھ کرنے کا عزم پیدا ہوتا ہے۔

۴۔ اپنے شیخ کی افادات سے مستفید ہونے کا موقع ملتا ہے ان کے افکار وخیالات کو قریب سے سمجھنے کا موقع ملتا ہے بہت سے علمی مباحث وتحقیقات کے سننے کا

موقع ملتا ہے، علمی راہ ہموار ہوتی ہے اور علم ومعرفت میں اضافہ ہوتا ہے۔

۵۔صرف کتابوں سے اگر اصلاح ہوتی تو شخصیات کی ضرورت نہ ہوتی اس لئے شخصیات سے وابستگی کی صورت میں اپنے رذائل سامنے آتے ہیں اور شیخ کی توجہات کی برکت سے ان کا ازالہ جلدی اور آسانی سے ہو جاتا ہے بصورت دیگر شیخ سے اس کی تدبیر معلوم کر کے اس کا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔

۶۔شیخ کی صحبت میں رہنے سے شیخ کی زیادہ توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے مواقع میسر ہوتے ہیں اور اس کی برکتیں حاصل ہوتی ہیں اور زوداثر فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

۷۔شیخ کے معمولات کو قریب سے دیکھنے اور معلومات کو قریب سے سننے کا موقع ملتا ہے اور آئندہ ان چیزوں پر مداومت آسان ہوتی ہے۔

۸۔شیخ کی صحبت میں رہنے سے اپنے امراض کو بالمشافہہ بتلانے اور اس کا علاج معلوم کر کے ان کے پاس رہ کر علاج کرانے میں مدد ملتی ہے اور نفع ونقصان کا اثر سامنے ہوتا ہے گویا مریض ہوسپٹلائز ہو جاتا ہے اور ہمہ وقت ڈاکٹر کے نگہداشت میں رہتا ہے۔

۹۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو بغیر کسی واسطہ کے براہ راست کیا جا سکتا ہے صحبت میں رہتے ہوئے اس کے مواقع ہوتے ہیں کہ براہ راست بات کر لی جائے اور نسخہ حاصل کر لیا جائے۔

الحاصل وقت فارغ کر کے شیخ کے پاس آنا جانا ان کی صحبت میں کچھ دنوں قیام کرنا اکتساب فیض کے لئے اس طریق کا لازمی جز ہے اس سے غافل نہیں ہونا

چاہئے۔ ہر سالک کو اس کا دھیان رکھنا چاہئے۔

راہ سلوک کے منتہی کی نشانیاں

ہر لائن میں ابتداء اور انتہاء ہوتی ہے جس طرح حافظ بننے والے بچے کی ابتداء الف با تا سے ہوتی ہے اور جب وہ مکمل تیس پارے اپنے سینہ میں محفوظ کر لیتا ہے تو یہ اس کی انتہاء ہوتی ہے اسی طرح عالم بننے والے طالب علم کی ابتداء میزان نحو میر سے ہوتی ہے اور انتہاء بخاری پر ہوتی ہے۔

اسی طرح راہ سلوک میں بھی ابتداء اور انتہاء ہے اگر چہ ہر لائن میں بتلایا یہی جاتا ہے کہ یہ صرف علامتی انتہاء ہے حقیقی انتہا منتہی کی بھی نہیں ہوتی چنانچہ ایک بار حضرت جنید بغدادی سے ایک صاحب نے سوال کیا ''ماالنھایۃ'' اس طریق کی انتہاء کیا ہے تو آپ نے فرمایا الرجوع الی البدایۃ یعنی جہاں سے چلے ہو وہیں پہنچ جاؤ مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے اپنے کو منتہی سمجھ لیا تو گئے کام سے اس لئے اپنے کو ہمیشہ مبتدی سمجھو اور کام سے لگے رہو پھر بھی حضرات صوفیاء نے کچھ ایسی علامتیں بتائی ہیں جن کے پائے جانے کے بعد یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ سالک سلوک کی انتہاء کو پہنچنے کے قریب ہے

۱۔ رضا و تسلیم کا عادی وخوگر ہونا یعنی اپنی مرضی کو سالک رضا مولی میں فنا کر دے جس طرح بہلول دانا سے کسی نے پوچھا حضرت کیسے مزاج ہیں؟

فرمایا اس شخص کے مزاج کو کیا پوچھتے ہو جس کا ہر کام اس کے منشاء و مزاج

کے مطابق ہوتا ہے لوگوں نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے فرمایا میں نے اپنے مزاج وارادہ کو اللہ کے ارادہ میں فنا کر دیا ہے ادھر سے جو بات آتی ہے اس کو اپنی مراد سمجھ کر خوشی سے قبول کرتا ہوں۔

۲۔ سارے حالات ومعاملات میں خداوند قدوس کی مشیت پر بدل وجان راضی وخوش ہونا۔

۳۔ مکمل یکسو ہوکر قلب کا ذکر ومذکور کی طرف مائل ومتوجہ ہونا۔

۴۔ اپنی اور اغیار کی ذات بلکہ ہر دو جہاں اور اللہ کے علاوہ تمام چیزوں سے قلب کا فارغ وآزاد ہونا۔

۵۔ اپنا اور اغیار کا وجود چشم باطن میں فنا کالعدم ہو جانا۔

۶۔ سارے تعلقات اور حالات وخیالات کا باطن سے غائب وفنا ہو جانا۔

۷۔ مشاہدہ کی طرح یقین کا حاصل ہو جانا۔

۸۔ ہمیشہ باہوش اور صاحب فکر رہنا۔

۹۔ ذکر واذکار میں استقامت کا ہونا۔

۱۰۔ تعلق شیخ میں استوارگی اور وحدت مطلب کا ہونا۔

سالک کے واجبات

سالک کے واجبات میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے اندر بزرگوں کی اطاعت

وادب کا جذبہ ہو ان کا اکرام واحترام ہو، ان کی توقیر وتعظیم ہو سوء ادبی سے اجتناب ہو، ہم کلامی میں نرم خوئی ہو، نشست وبرخاست میں ادب وتأدب ہو خواہ اس سے روحانی انسلاک ہو یا نہ ہو بشرطیکہ وہ علماء حقانی میں سے ہو اور علم میں سادگی ہو اکڑ پھوں نہ ہو، اپنے کو طالب بنا کر رکھے مطلوب بن کر نہ رہے اظہار علم کے موقع پر اظہار ہو اخفاء کے موقع پر اخفاء ہو اظہار تفوق کے لئے اظہار نہ ہو بلکہ مقصود تبلیغ وارشاد ہو۔

اہل باطل کی وضع سے دور ہو، اکابر کی وضع کا وضعدار ہو، تصنع وتکلف سے دور ہو تواضع وسادگی پسند ہو ہر اعتبار سے سیدھا سادھا ہو۔ ''**اللھم اجعل سریرتی خیرا من علانیتی واجعل علانیتی صالحۃ**'' کا مصداق ہو، ظاہر وباطن صاف ستھرا ہو، نظافت وطہارت قلبی وقالبی ملحوظ ہو، امراض قلبیہ سے صاف ہو، خامیوں کے ازالہ پر نظر رکھے اور خوبیوں کے پیدا کرنے کی کوشش ہو، اعمال کی مداومت کا اہتمام ہو۔ ذکر وفکر کا التزام ہو، ترش روئی سے احتراز ہو، خندہ پیشانی شعار ہو خدمت خلق کا مزاج ہو۔

حضرت تھانوی کا ارشاد

حضرت تھانویؒ سے کسی نے پوچھا حضرت اجازت کا معیار کیا ہے حضرت نے فرمایا کسی کے بارے میں اچانک خیال آتا ہے کہ اس کو اجازت دیدینی چاہئے لیکن یہ سوچ کر اس کو دفع کر دیتا ہوں کہ یہ وسوسہ ہے پھر کچھ دنوں کے بعد اس کے

بارے میں یہی خیال آتا ہے پھر اس کو دفع کر دیتا ہوں پھر تیسری مرتبہ خیال آتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ من جانب اللہ ہے پھر اس کو بلا کر اجازت دیدیتا ہوں۔

لیکن حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اجازت کو تکمیل کی سند نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ اس کے بعد مزید محنت کی ضرورت پڑتی ہے اور اگر کسی نے یہ سوچ کر ذکر وفکر کو نظر انداز کر دیا کہ اب تو سند مل گئی اب کیا ضرورت ہے محنت کی تو وہیں سے اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے اس لئے کہ اجازت کی بہت سی قسمیں ہیں نہ معلوم شیخ نے کیا سوچ کر اجازت دی ہے اس لئے اب تو اس سند کی بھی لاج رکھنی ہے اس لئے محنت ومجاہدہ کو بڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ جو کچھ کمی کوتاہی رہ گئی ہو وہ بھی دور ہو جائے۔

سلوک کا زہر

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ سالک کے لئے تین چیزیں زہر ہیں، ان سے بہت دور رہنے کی ضرورت ہے ورنہ سالک کی ساری محنت ضائع ہو جاتی ہے۔

ا۔ ناموافق غذا اس لئے اس کا اہتمام ہو کہ غذا وہ استعمال کرے جو اس کے معدہ کے موافق ہو نہیں تو معلوم ہوا کہ اسہال شروع ہو گیا سارے معمولات دھرے کے دھرے رہ گئے یا قبض شروع ہو گیا جس کی وجہ سے کسی کام کے نہیں رہے۔

۲۔ ناجنسوں کی صحبت، اس لئے کہ یہ بہت زوداثر چیز ہے اچھی صحبت میں رہ کر کمائی ہوئی دولت تھوڑی دیر میں ضائع ہوجاتی ہے اور سالک خالی ہاتھ ہوجاتا ہے۔

۳۔ ارتکاب معصیت، گناہ ہر حال میں ہر ایک کے لئے مضر ونقصان دہ ہے، لیکن سالک کے لئے توزہر ہے اللہ کی نافرمانی سے تو سالک کو بہت دور رہنا پڑتا ہے ورنہ سکنڈوں میں پوری گٹھری ضائع ہوجاتی ہے جس کو کمانے میں سالوں لگتے ہیں۔

محبت وعقیدت کی ضرورت

شیخ سے فیض پہنچنے کا مدار محبت وعقیدت ہے۔

لیکن محبت کے لئے عقیدت لازم نہیں، محبت کہتے ہیں میلان قلب کو اور عقیدت کہتے ہیں "ربط القلب بشئی سواء کان مطابقاً للواقع أم لا" دل کا کسی سے وابستہ ہوجانا خواہ وہ واقع کے مطابق ہو یا نہ ہو جس کو ہندی میں آستھا کہتے ہیں، آپ نے کسی کو جنید، شبلی، عطار، رومی مان لیا بس کافی ہے وہ حقیقت میں جنید، شبلی ہو یا نہ ہو آپ کو آپ کی عقیدت کی بنیاد پر نفع ہوگا۔

اور اگر کوئی واقعتاً اپنے زمانہ کا جنید وشبلی ہو لیکن آپ کی نظر میں وہ فراڈی ہو تو اس سے آپ کو کوئی نفع نہیں ہوگا۔

لیکن یہ یاد رہے کہ محبت اور ہے عقیدت اور ہے بیٹے کو باپ سے محبت ہوتی ہے لیکن عموماً عقیدت نہیں ہوتی اسی وجہ سے عموماً اولیاء کے بیٹے باپ کی نسبت سے محروم رہتے ہیں اور دنیا عقیدت کی بنیاد پر فیض اٹھاتی ہے۔

حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے اس طریق میں وصول الی اللہ اس وقت ہوتا ہے جب لذت ونفع پر نظر نہ کرے بلکہ کام ہی کو مقصود سمجھے اور اس میں مسلسل لگا رہے، فرماتے تھے جو لوگ مجھ سے یہ شکایت کرتے ہیں کہ ذکر میں مزہ نہیں آتا تو میں ان سے کہہ دیا کرتا ہوں کہ میاں مزہ تو مذی میں ہے یہاں مزہ کہاں؟ یہ تو لوہے کے چنے ہیں اگر لوہے کے چنے چبانا ہو تو آؤ اور اگر یہ منظور نہیں تو عشق کا نام نہ لو کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

دل بدست دگرے دادن وحیراں بودن

ایک بار ارشاد فرمایا کہ عمل سے جب تک حال نہ پیدا ہو اس وقت تک وہ قابل اطمینان نہیں، بغیر حال کے عمل کی مثال ایسی ہے جیسے ریل گاڑی میں انجن نہ ہو صرف مزدور اس کو دھکا دے کر لے جائیں اور حال کے ساتھ عمل کی مثال ایسی ہے جیسے انجن ریل گاڑی کو لے جائے۔

اسی طرح ایک بار فرمایا کیفیات نفسانیہ ذوق وشوق محمود تو ہیں مگر مقصود نہیں اور غیر مقصود بالذات کو مقصود بنا لینا عصیان باطنی اور بدعت باطنیہ ہے اس لئے

سالک کو ہمیشہ اس باطنی عصیان سے بچنے کی فکر کرنی چاہئے (انفاس عیسی)۔

طریقت کا خلاصہ

طریقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ طریقت کا حاصل کیا ہے طریقت کا حاصل رضاء باری ہے اور رضاء باری کے حصول کے لئے شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ پر چلنا ضروری ہے، اور شریعت کے احکامات کو ماننا ضروری ہے اور شریعت کے احکامات دو طرح کے ہیں کچھ کا تعلق ظاہر سے ہے اور کچھ کا تعلق باطن سے ہے۔

جن امور کا تعلق ظاہر سے ہے وہ یہ ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، نکاح، طلاق، وصیت، تقسیم ترکہ، درستگی معاملات وغیرہ۔

اور کچھ امور وہ ہیں جن کا تعلق باطن سے ہے جیسے اللہ سے محبت رکھنا، اللہ سے ڈرنا، دنیا سے محبت کم رکھنا، اللہ کی مشیت پر راضی رہنا، حرص طمع سے دور رہنا، عبادت میں دل کو حاضر رکھنا، دین کے کام کو اخلاص سے کرنا، کسی کو حقیر نہ سمجھنا وغیرہ۔

اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح ظاہری احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، اسی طرح باطنی احکام پر بھی عمل کرنا ضروری ہے۔

بلکہ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ باطنی اعمال کی کمزوری کا اثر ظاہری اعمال پر بھی ہونے لگتا ہے، مثلاً جب اللہ کی محبت میں کمی آتی ہے تو نماز، روزہ، میں کاہلی وسستی آنے لگتی ہے، اسی طرح جب اندر بخل پیدا ہو جاتا ہے تو صدقہ، خیرات، بلکہ زکوۃ و حج

جیسا اہم عمل بھی بوجھ لگتا ہے، اسی طرح جب کبر کا غلبہ ہوتا ہے تو دوسروں کی تحقیر وتذلیل شروع ہوجاتی ہے، اسی طرح جب غضب کا غلبہ ہوتا ہے تو دوسروں پر ظلم شروع کردیتا ہے۔

لہٰذا جب تک نفس کی اصلاح نہیں ہوگی ظاہری وباطنی احکام کی پابندی مشکل ہے، اگر کسی درجہ میں ظاہری احکام کی پابندی ہوبھی گئی تب بھی اس میں دوام واستمرار بغیر اصلاح باطن کے مشکل ہے اور اصلاح باطن بغیر شیخ کامل کے ممکن نہیں چونکہ باطنی خرابیاں عموماً کم لوگوں کو سمجھ میں آتی ہیں اور اگر سمجھ میں آگئیں تو اسکی اصلاح کا طریقہ کم معلوم ہوتا ہے اور اگر کسی طرح معلوم بھی ہوگیا تو نفس عمل کرنے میں آڑے آتا ہے جس کی وجہ سے عمل کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔

اور اگر شیخ کامل سے وابستگی ہوتی ہے تو وہ بیماری کو سمجھتا ہے اور اس کا علاج تجویز کرتا ہے اور نفس کے اندر درستگی کی استعداد اور ان معالجات میں سہولت اور تدابیر میں قوت پیدا ہونے کے لئے کچھ اذکار واشغال کی تعلیم کرتا ہے اس طرح کام آسان ہوجاتا ہے اور مقصود کے حصول کی طرف بندہ تیزی سے گامزن ہوجاتا ہے۔

اور اگر دیکھا جائے تو خود ذکر بھی اپنی ذات میں عبادت ہے حاصل یہ نکلا کہ سالک کو دو کام کرنے ہیں ایک ضروری اور وہ احکام شرعیہ کی پابندی ہے خواہ ظاہری ہوں یا باطنی دوسرا مستحب ہے اور وہ ذکر کی کثرت ہے۔ احکام کی پابندی سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور ذکر کی کثرت سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور یہی سلوک کا

خلاصہ ومغز ہے۔

اگران چیزوں کو سالک نے حاصل کرلیا تو اس نے مقصود کو پالیا اور منزل پر پہنچ گیا۔

لیکن ہر سالک کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ راہ سلوک میں نہ کشف وکرامات ضروری ہیں نہ تصرفات، نہ ذکر واشغال میں انوارات کا ظہور ضروری ہے نہ اچھے منامات، نہ عبادات میں لذت وحلاوت ضروری ہے نہ الہامات، شیخ کے ذمہ مرید کو قیامت میں نہ بخشوانے کی ذمہ داری ہے نہ دنیاوی کام وکاج میں فتحیابی کی، نہ روزگار میں اضافہ کی ذمہ داری ہے نہ اچھے کاروبار کی، بلکہ یہ راستہ صرف اور صرف اللہ کی رضا اوراس کا قرب وتعلق حاصل کرنے کا راستہ ہے، لہٰذا ان چیزوں کی اپنے شیخ سے امید رکھنا یہ اس طریق کے منافی ہے جو مقصود ہے اوراس کے حاصل کرنے کا جو ذریعہ ہے شیخ کا کام اس کو بتلانا اوراس راہ پر ڈالنا ہے باقی محنت ومجاہدہ کے ذریعہ آگے بڑھنا اور ترقی کرنا یہ سارا کام سالک کا ہے۔

اگر کوئی سمجھتا ہے کہ شیخ اپنی توجہ کے ذریعہ ہمیں اونچے مقامات پر پہنچادے گا تو یہ شدید غلطی ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ معمولات کی پابندی ہی ترقی کا زینہ ہے بندہ معمولی ہو یا غیر معمولی سب کو معمولاتی بننا پڑتا ہے اسی کے بعد کچھ حاصل ہوتا ہے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ بہت اہتمام سے مریدین سے یہ فرمایا کرتے تھے

پیار و معمولات کی پابندی کا خیال رکھنا اس کے بغیر ترقی نہیں ملے گی۔

اخلاص و مخلص کا مطلب

حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ جلالی بزرگ تھے فتح پور تال نرجا اعظم گڈھ کے رہنے والے تھے وہاں سے ہجرت کر کے گورکھپور تشریف لے گئے وہاں سے الہ آباد اور وہاں سے حج کے سفر میں گئے اور اللہ کے پاس پہنچ گئے ایک بار صبح کی مجلس میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ بھی تشریف فرما تھے اچانک حضرت شاہ صاحب ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: مولانا آپ کا خصوصی تعلق حدیث سے ہے یہ بتلائیں۔قرآن کریم اور احادیث میں کثرت سے اخلاص اور مخلص کا لفظ آیا ہے اس کا مطلب کیا ہے اخلاص و مخلص کس کو کہتے ہیں۔

مولانا نے تھوڑی دیر سر جھکایا پھر فرمایا حضرت اخلاص و مخلص کا مطلب یہ ہے کہ جس کا ہو اسی کا ہو کے رہ جائے۔

یہ جواب سننا تھا کہ حضرت شاہ صاحب پر حال طاری ہو گیا اور اپنی ران پر ہاتھ مارنے لگے اور فرمانے لگے۔مولانا کیا بات کہی آپ نے کیا بات کہی آپ نے بار بار یہ جملہ دھراتے رہے۔آپ نے تو دریا کو کوزہ میں بھر دیا۔

سچ ہے نماز ہو یا کوئی بھی عبادت، جب تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو اس کو اخلاص والا عمل نہیں کہا جا سکتا۔

نماز میں اخلاص جبھی پیدا ہوگا جب بندہ جس کی عبادت کررہا ہے اسی کا ہوکے رہ جائے، دنیاومافیہا کو بھول جائے۔

صاحب نسبت ہونے کا مطلب

تصوف وصوفیاء کی ایک اصطلاح صاحب نسبت ہونا بھی ہے، لیکن عام طور پرلوگ یہ نہیں جانتے کہ صاحب نسبت ہونے کا مطلب کیا ہے۔

نسبت کے لغوی معنی تعلق اور لگاؤ کے ہیں اور اصطلاح میں نسبت کہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے بندہ کا خاص تعلق ہوجانا، یعنی دائمی اطاعت اور ذکر کا غالب ہوجانا اور اللہ تعالیٰ کا بندہ سے خاص قسم کا تعلق ہونا یعنی قبولیت اور رضا کا پایا جانا، جیسے عاشق مطیع اور وفادار معشوق میں تعلق خاص ہوتا ہے۔ جب اس انداز کا تعلق کسی بندہ کا اللہ سے ہوجائے تو اس کو ایک مقام رفیع حاصل ہوجاتا ہے اور اس کے بعد اس شخص کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ شخص صاحب نسبت ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ صاحب نسبت ہونا ایک بہت بڑا مقام ہے، اللہ جس کو نواز دے اس کی عنایت ہے، ہر شخص صاحب نسبت نہیں ہوسکتا اور نہ ہر شخص کے لئے یہ جملہ قابل استعمال ہے، جب تک کسی میں مذکورہ بالا صفات نہ پائے جائیں اس وقت تک کسی کو صاحب نسبت نہیں کہا جاسکتا۔

نسبت اور ملکۂ یادداشت میں فرق

دونوں کی ماہیت الگ الگ ہے، نسبت کہتے ہیں تعلق خاص کو جس کے لئے دو چیزوں کا ہونا لازمی ہے، جب تک وہ دونوں چیزیں نہ پائی جائیں اس وقت تک اس پر لفظ نسبت کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔

۱- کثرت ذکر جس کی دوسری تعبیر ملکۂ یادداشت بھی ہے۔

۲- دوام طاعت جس کا حاصل یہ ہے کہ نسبت ملزوم اور ملکۂ یادداشت لازم ہے۔

اس کو مثال سے یوں سمجھئے جیسے کوئی شخص کسی پر عاشق ہوجائے تو اس تعلق عشق کے لئے دو چیزیں لازمی ہیں۔(۱) معشوق اکثر اوقات عاشق کے ذہن سے نہیں اترتا بلکہ ہر وقت عاشق کے دل ودماغ میں وہ چکر لگاتا رہتا ہے۔

(۱) عاشق جان بوجھ کر معشوق کی نافرمانی نہیں کرتا بلکہ ہر وقت معشوق کا مطیع اور فرمانبردار بن کر رہتا ہے۔

لہٰذا اگر کوئی اپنے کو اللہ کا عاشق سمجھتا ہے یا کہلواتا ہے تو اس کے لئے یہ بات بہت ضروری اور لازمی ہے کہ جملہ امور میں اللہ کا دائمی طور پر مطیع وفرمانبردار ہو اور ہمیشہ ہر قسم کی نافرمانی سے گریزاں ہو۔

اگر کسی میں یہ صفت نہ ہو اس کے باوجود وہ اپنے کو اللہ کا عاشق سمجھتا ہو یا

کہلواتا ہوتو ایسا شخص عاشق نہیں بلکہ فاسق ہے،اس سے دور رہنے کی ضرورت ہے۔

نسبت کے الوان

نسبت کی حقیقت تو ایک ہی ہے،لیکن استعداد کے اختلاف کی وجہ سے اس کے الوان مختلف ہوتے ہیں، کسی پر خشیت کا غلبہ ہوتا ہے تو کسی پر محبت کا ، اور کسی کو حضور مع اللہ کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔

اصل چیز نسبت کا حصول ہے خواہ اس کا رنگ کچھ بھی ہو۔ عام طور پر اس کا ظہور صاحب نسبت کی استعداد کے مطابق ہوتا ہے۔

اصل نسبت جس سے مراد حضور مع اللہ ہے وہ کسی کے سلب کرنے سے سلب نہیں ہوتی، البتہ ارتکاب معصیت سے از خود یہ نسبت سلب ہوجاتی ہے۔لیکن تصرفات کی وجہ سے کیفیت شوقیہ سالک کی کم ہوجاتی ہے۔بعض لوگ سلب نسبت کی مسلسل مشق کرتے ہیں اور وہ درجہ کمال کو پہونچ جاتے ہیں تو بعض اوقات کسی کی نسبت سلب کر لیتے ہیں۔

لیکن عمومی احوال میں ہر شخص کے تصرف سے ایسا نہیں ہوتا،اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہئے اوراس دقیق نکتہ کو ذہن نشین کر لینا چاہئے تا کہ خواہ مخواہ کے وساوس کا شکار سالک نہ ہواور پوری یکسوئی وہمت کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہے۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ذکر کی مداومت کی وجہ سے طبیعت میں ایک خاص قسم کا نشاط پیدا ہو جاتا ہے اور شوق ذکر میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ اچانک کوئی بات باعث حزن و ملال کے آجانے کی وجہ سے اس شوق و نشاط میں کمی آجاتی ہے جس کو سالک اپنی غلط فہمی کی وجہ سے کسی کی طرف سے سلب نسبت تصور کر بیٹھتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ یہ اثر ہوتا ہے پیش آمدہ حزن و ملال کا جس کے ازالہ کے بعد ذکر کی مداومت کے ساتھ شوق و نشاط عود کر جاتا ہے اور پرانی کیفیت واپس آجاتی ہے۔

حضرت رائے پوری کا واقعہ

چنانچہ کافی عرصہ کی بات ہے کہ ایک بار مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے طلبہ سیر و تفریح کرتے ہوئے شاہ ولایت قبرستان کے آگے بڑھ گئے جہاں بہت دور تک مختلف انداز کے باغات ہیں اور ان باغات میں کچھ مندر بھی ہیں اور ان مندروں میں اس زمانہ میں مرتاض قسم کے پنڈت بھی رہا کرتے تھے۔

جب ان طلباء کا گزر مندر کے پاس سے ہوا تو وہاں بیٹھے ہوئے ایک مرتاض پنڈت نے تصرف کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ طالب علم مدرسہ پہونچتے پہونچتے پاگل کی طرح اول فول بکنے لگا اور ناپسندیدہ مشرکانہ کچھ کلمات بھی اس نے

کہنا شروع کر دیا۔

اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اس کے سب ساتھی پریشان ہوئے اور اس کو لے کر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور حضرت شیخ سے پورا واقعہ سنایا۔ حضرت شیخؒ نے ایسی جگہ پر جانے سے طلباء کو بہت ڈانٹا اور سختی سے منع فرمایا اور اس کے بعد یہ فرمایا کہ اس کو لے کر رائے پور حضرت رائے پوری کے پاس چلے جاؤ۔

چنانچہ طلباء اس کو لے کر حضرت رائے پوری کے پاس پہونچے جہاں حضرت کی چارپائی کے پاس چوبیس گھنٹہ ذاکرین ذکر کرتے تھے، حضرت رائے پوری سے ان طلباء نے پورا واقعہ بتلایا اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا حکم سنایا۔

حضرت رائے پوری نے سننے کے بعد سکوت اختیار فرمایا اور تمام طلباء کافی دیر مریض ساتھی کو لے کر وہاں بیٹھے رہے، چند گھنٹوں کے بعد حضرت رائے پوری علیہ الرحمہ پر خاص قسم کی کیفیت طاری ہوئی اور اس مریض طالب علم کے قلب کی طرف اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بھائی پہلے زمانہ میں ایسے اللہ والے تھے جو ایک انگلی کے اشارہ سے قلب کو پلٹ دیا کرتے تھے اور یہ فرماتے ہوئے پلٹنے والا اشارہ آپ نے اپنی انگلی سے فرمایا اس کے بعد وہ طالب علم چنگا اور ٹھیک ہوگیا اور اس کے قلب کی پوری ایمانی کیفیت واپس آگئی، اس کے تمام ساتھی خوشی کے ساتھ اس کو لے کر مظاہر علوم واپس آگئے۔

حضرت گنگوہی کے ایک مرید کا واقعہ

بنارس صوبہ یوپی کا ایک مشہور صنعتی شہر ہے جہاں کی ساڑی پوری دنیا میں مشہور ہے، اس شہر میں مختلف مقامات پر مندر بہت ہیں، قدیم زمانہ میں ان مندروں میں مرتاض پنڈت بھی رہتے تھے جو ریاضت ومجاہدہ کی وجہ سے منجانب اللہ استدراج کے بھی حامل تھے، انہی پنڈتوں میں ایک پنڈت ایسا تھا جو سال میں ایک مرتبہ عوامی درشن کے لئے اپنے گوفہ سے نکلتا تھا، اس کے نکلنے کے دن پورا میلہ لگتا تھا اور گرد و پیش کے انسانوں کا بڑا ہجوم ہوتا تھا، اس ہجوم میں ہندوؤں کی کثرت ہوتی تھی لیکن کچھ مسلمان بھی پنڈت کو دیکھنے چلے جایا کرتے تھے۔

جب پنڈت نکلتا تو اس کے درشن کے لئے لوگوں کا دورویا قطار لگتا تھا اور پنڈت سر جھکائے ہوئے جہاں تک لوگ ہوتے تھے گزرتا تھا، لوگ اس کو دیکھ کر کچھ نذرانہ بھی پیش کرتے تھے جس کو معتقدین چادروں میں جمع کرتے ہوئے چلتے تھے۔

ایک مرتبہ انہیں تماشہ بینوں میں حضرت گنگوہی کے ایک مرید بھی پہونچ گئے اور وہ بھی درشن کے لئے لگی ہوئی قطار کے پیچھے کی لائن میں کھڑے ہوگئے۔ پنڈت حسب معمول گردن جھکائے ہوئے آنکھیں بند کیے ہوئے دو قطار کے بیچ سے گزر رہا تھا، جب حضرت گنگوہی کے مرید کے پاس پہونچا تو کھڑا ہوگیا، سر اٹھایا، پلکوں کو

دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور اس دور کھڑے ہوئے مرید کو قریب بلایا اور پوچھا کہ تم کس سے بیعت ہو، مرید نے حضرت گنگوہی کا نام بتایا، پنڈت نے اس کے بعد کہا کہ تمہارے پیر بہت بڑے آدمی ہیں اور حضرت گنگوہی کی خانقاہ کا پورا نقشہ اس نے بتایا، اس کے بعد اپنی بھنو کو نیچے کر کے گردن جھکا کر آگے بڑھ گیا، قسمت کی بات یہ رہی کہ اس نے کوئی تصرف نہیں کیا۔ میلہ سے واپس آنے کے بعد پورے واقعہ کی اطلاع اس مرید نے حضرت گنگوہی کو کی، حضرت گنگوہی نے جواب میں اس مرید کو اس انداز کے میلوں میں شرکت کرنے اور جانے سے سختی سے منع فرمایا، اس لئے عام مسلمانوں کو بھی اس انداز کے میلوں ٹھیلوں سے بہت زیادہ پرہیز کرنے کی ضرورت ہے۔

استغراق کی تشریح

استغراق تصوف کی ایک اصطلاح ہے۔ عام طور پر حضرات صوفیاء کے یہاں اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے اور زمانہ قدیم میں سلسلہ تصوف سے جو حضرات مشائخ مربوط تھے ان کا گزر اکثر ان کیفیات سے ہوا کرتا تھا۔

استغراق اس کیفیت کو کہتے ہیں جس میں عارف کی گردن قلب کی طرف جھک جاتی ہے اور دیدار تجلی خداوندی میں وہ غرق ہو جاتا ہے۔ اس لئے حضرات فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ کیفیت نماز کی ہیئت پر بیٹھے ہوئے پیدا ہو جائے تو اس سے وضو

نہیں ٹوٹتا اور اگر بیٹھنے کی ہیئت نماز کی نہ ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

حضرات صوفیاء کے یہاں استغراق نیند کے مشابہ ہے، اس لئے نوم اور نیند پر نقض وضوء اور عدم نقض کا جو حکم مرتب ہوتا ہے وہی حکم استغراق پر بھی مرتب ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرات فقہاء نے وہ بات کہی ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔

لیکن حضرات صوفیاء نے استغراق اور نوم میں فرق بیان کرتے ہوئے ایک بہت دقیق بات کہی ہے جس کو عارفین و سالکین ہی سمجھ سکتے ہیں، عام لوگوں کے فہم سے وہ بالاتر ہے۔

چنانچہ دونوں میں فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ استغراق اگرچہ نوم کے مشابہ ہے لیکن دونوں میں یہ فرق ہے کہ استغراق میں قلب یعنی دل بیدار بحق ہوتا ہے اور نوم یعنی نیند میں بیدار بخلق ہوتا ہے، گویا کہ قلبی بیداری دونوں حالت میں ہوتی ہے، ایک میں بیداری خالق کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے اور دوسرے میں بیداری خلق کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ یہ بہت دقیق اور فنی بات ہے جس کو دقت نظر کے ساتھ محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے ورنہ خربطہ کے شکار ہو سکتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کے استغراق کا واقعہ

گنگوہ ضلع سہارنپور کا ایک مشہور قصبہ ہے جو کسی زمانہ میں روحانیت کا مرکز

رہا ہے، جس کے نشانات کھنڈرات کی شکل میں آج بھی وہاں موجود ہیں، نویں صدی ہجری میں اللہ پاک نے ایک ایسی شخصیت کو پیدا فرمایا جس نے اپنے علم و روحانیت کے ساتھ اپنی باطنی قوت کے ذریعہ قصبہ گنگوہ کو اتنا معروف و مشہور بنا دیا کہ آج تک دنیا اس قصبہ کو فراموش نہیں کرسکی۔

حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی حضرت شاہ ابو المعالی حضرت شاہ ابوسعود گنگوہی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے علم و کمال، جاہ و جلال، عظمت و جمال، رفعت جاہ کی چاشنی حاصل کرنے اور فیوض و برکات سے اپنے دامن کو بھرنے کے لئے دنیا آج بھی جوق در جوق گنگوہ شریف کی زیارت کے لئے مجبور ہے اور اس سرزمین کی عظمت و تقدس اور اس کا احترام آج بھی اپنوں اور غیروں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

حضرت شاہ عبد القدوس بن اسماعیل بن صفی بن نصر حنفی رودولوی ثم الگنگو ہی ۸۶۰ھ میں پیدا ہوئے، اتباع سنت کے ساتھ علوم ظاہرہ اور باطنہ میں آپ نے کمال حاصل کیا، گرچہ آپ شیخ محمد بن شیخ عارف کے خلفاء میں سے ہیں، لیکن آپ کے کمالات کی تکمیل حضرت شیخ عبد الحق رودولوی سے بلاواسطہ بفیض روحانی ہوئی۔ تقریباً ۳۵ پینتیس سال آپ کا قیام رودولی شریف میں رہا لیکن سلطان سکندر لودھی کے امراء میں سے عمر خان کاسی کی درخواست پر آپ شاہ آباد تشریف لائے اور پینتیس (۳۵) ہی سال وہاں بھی مقیم رہے۔

ظہیر الدین بابر کے زمانہ میں آپ گنگوہ ہجرت کر کے تشریف لائے اور

چودہ (۱۴) سال وہاں قیام فرمایا۔

حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی علیہ الرحمہ کا انتقال ۹۴۹ھ میں ہوا، آپ صاحب استغراق مشائخ میں سے تھے۔ آپ پر اکثر استغراق کا غلبہ رہا کرتا تھا، اخیر عمر میں یہ حال ہوگیا تھا کہ دائمی طور پر ہمہ وقت استغراق کی کیفیت طاری رہا کرتی تھی، اذان کے بعد آپ کے لڑکے شاہ رکن الدین آپ کے پاس تشریف لے جاتے اور ابا ابا کہہ کر آواز دیتے، بڑی مشکل سے سر اٹھتا تو پوچھتے کون؟ جواب میں فرماتے رکن الدین۔ پھر اسی حال میں سوال فرماتے کون رکن الدین؟ تو جواب میں فرماتے آپ کا لڑکا رکن الدین، اس کے بعد پھر استغراق کی کیفیت طاری ہوجاتی، بڑی مشکل سے مسلسل بیدار کرنے کے بعد بیدار ہوتے اور وضوء ونماز سے فارغ ہونے کے بعد پھر مستغرق ہوجاتے، داعی اجل کو لبیک کہنے تک استغراق کی یہی کیفیت طاری رہی۔ سچ کہا ہے کسی نے ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

یہ مقام رفیع جس کو ملا مل گیا۔ ع

''ہر ہوسنا کے نہ داند جام و سنداں باختن

اس دولت عظمی سے اللہ پاک اپنے کچھ مخصوص بندوں کو سرفراز فرماتے ہیں جن میں سے ایک حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہیؒ بھی ہیں۔

قبض وبسط کی تشریح

قبض اور بسط بھی ان الفاظ میں سے ہے جس کا استعمال حضرات صوفیاء کے یہاں بکثرت ہوتا ہے۔

قبض کہتے ہیں محبوب کی تجلی جلال یعنی آثار عظمت و استغناء کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کا گرفتہ ہونا۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سالک کو عبادت و ریاضت، ذکر و تلاوت میں جو لذت ملتی ہے اور اس کی وجہ سے طبیعت میں جو انبساط اور انشراح ہوتا ہے اور ان اعمال کی طرف جو قلبی میلان ہوتا ہے وہ یکسر ختم ہو جاتا ہے اور ذوق وشوق کا فقدان ہو جاتا ہے تو ان کیفیات سے اپنے مرشد اور شیخ کو فوراً آگاہ کرنا چاہئے اور تجویز کردہ علاج کے ذریعہ قبض کو ختم کرنا چاہئے تاکہ پرانی کیفیت عود کر آئے۔

دوسرا لفظ ''بسط'' ہے۔ بسط کہتے ہیں محبوب کی تجلی جمال یعنی آثار لطف وفضل کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کو فرحت وسرور حاصل ہونا۔

جب محبوب کی طرف سے جمال کی تجلی ہوتی ہے یعنی لطف وفضل کے آثار کا ورود ہوتا ہے تو قلب ایک خاص قسم کی فرحت وسرور ونشاط محسوس کرتا ہے جس کی وجہ سے اعمال کی طرف جھکاؤ ہوتا ہے، اعمال کی اس کو رغبت ہوتی ہے، ذکر و تلاوت میں ایک خاص قسم کا مزہ آتا ہے اور بار بار اعمال کے کرنے کو دل چاہتا ہے، یہ باتیں بسط کی حالت میں حاصل

ہوتی ہیں۔اس لئے ہر سالک کے ذہن میں قبض وبسط کا مفہوم رہنا چاہئے تا کہ کیفیات کا اندازہ لگانے میں دقت نہ ہو اور بغیر کسی الجھن ودشواری کے سفر سلوک طے ہوتا رہے۔

قبض کے اسباب مختلفہ

قبض کے اسباب مختلف ہیں۔

ا۔کبھی قبض باطن۔ معصیت کے ارتکاب کی وجہ سے ہوتا ہے خواہ وہ معصیت عینی ہو یا لسانی، انفی ہو یا اذنی، یدی ہو یا رجلی، عملی ہو یا فکری۔ بہرحال معصیت جو سالک کے لئے انتہائی درجہ مہلک اور زہر ہے اس کے ارتکاب سے بھی خواہ دانستہ ہو یا نادانستہ لیلاً ہو یا نہاراً، عمداً ہو یا سہواً، خلوۃً ہو یا جلوۃً قبض طاری ہو جاتا ہے اور اعمال سے بے رغبتی پیدا ہو جاتی ہے اور ذکر وتلاوت کا شوق کم یا ختم ہو جاتا ہے، اس کا علاج توبہ واستغفار ہے، لہٰذا سالک کو چاہئے کہ قولی طور پر توبہ اور استغفار کا اہتمام کرے اور عملی طور پر بھی صلوۃ التوبہ کا التزام کرے۔

۲۔کبھی دماغ کی خشکی اور کسی بیماری کی وجہ سے بھی قبض ہوتا ہے، لیکن یہ صورۃً قبض ہوتا ہے جس میں علاج کی ضرورت پڑتی ہے اور طبیب سے مراجعت اور مشورہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

لہٰذا اگر قبض کی وجہ دماغ کی خشکی یا جریان یا کثرت احتلام یا دیگر کوئی بیماری

ہوتو شیخ ومرشد کواطلاع کے ساتھ کسی ماہرڈاکٹر یا طبیب سے رجوع کر کے اس کا علاج ومعالجہ کرانا چاہئے۔

۳-کبھی کسی ناگوار طبع بات یا کام کے پیش آجانے کی وجہ سے بھی قبض ہوتا ہے، اس کا علاج اس ناگوار خاطر جزء کا ازالہ ہے، خواہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ، بعجلت ہو یا بدیر جب تک وہ چیز ختم نہیں ہوگی اس وقت تک قبض کا ازالہ نہیں ہوتا، اس لئے ان امور کو ذہن میں رکھ کر ہر سالک کو چلنا چاہئے۔

جذب وسلوک کی تشریح

جذب وسلوک بھی تصوف کی اصطلاح ہے۔ عام طور پر حضرات صوفیاء اس کو استعمال کرتے ہیں۔ سلوک کے معنی چلنے کے آتے ہیں۔ سالک اس شخص کو کہا جاتا ہے جو منزل بہ منزل چل کر اور طریق وطریقت کے مجاہدات کو برداشت کر کے کسی مقام تک پہونچتا ہے، جس مقام پر پہونچ کر وہ منتہی کہلاتا ہے۔

اگر چہ طریقت میں سالک کبھی انتہا کو نہیں پہونچتا اور نہ ہی کسی سالک کو اپنے کو منتہی سمجھنا چاہئے۔

جس طرح علم کسبی کے طلباء پہلے اردو دینیات کا علم حاصل کرتے ہیں اس کے بعد درجہ فارسی میں داخل ہوتے ہیں پھر عربی اول و دوم وسوم میں داخلہ لیتے ہیں

اور سال بھر اس درجہ میں رہ کر مختلف مجاہدات سے گزرنا پڑتا ہے، بالتدریج وہ دورۂ حدیث اور درجہ فضیلت تک پہونچتے ہیں۔ اسی طرح سالک درجہ بدرجہ آگے بڑھتا ہے، مختلف مجاہدات سے گزر کر ذکر سری میں قدم رکھتا ہے، اس کے بعد ذکر جہری کا سبق اس کو ملتا ہے، پھر بالتدریج ذکر ناسوتی، ذکر ملکوتی، ذکر جبروتی، ذکر لاہوتی سے گزرتا ہوا حسب استعداد و صلاحیت دوسرے اذکار میں قدم رکھتا ہے پھر ذکر حدادی، ذکر قلندری، ذکر سرمدی، ذکر ارہ، سلطان الاذکار کے اسباق سے گزر کر پاس انفاس، مراقبات، سیر باللہ سیر فی اللہ سیر الی اللہ کے مراحل سے سالک گزرتا ہوا حبس دم اور وحدت الوجود اور وحدت الشہود تک پہونچتا ہے۔ پھر بقائیت اور فنائیت کی حلاوت محسوس کرتا ہے۔

جذب کے معنی انتخاب اور کھینچنے کے آتے ہیں جس کا تذکرہ قرآن کریم میں بھی ہے۔ **الله يجتبي إليه من يشاء و يهدي إليه من ينيب**۔ یہاں اجتباء کا حاصل جذب ہے اور **يهدي إليه من ينيب** میں سلوک داخل ہے جس میں کبھی صرف ارائۂ طریق پر بات سمٹ کر رہ جاتی ہے اور کبھی ایصال الی المطلوب کے بعد بات مکمل ہوتی ہے۔

جس طرح کبھی اللہ کی رضاء کے حصول اور اس کے قرب کی تحصیل اور اس کی معرفت و معیت کی جستجو میں کسی کو ایک مدت درکار ہوتی ہے، تب جا کر یہ صفات اس کو حاصل ہوتے ہیں اور کبھی کسی بندہ کا اللہ پاک از خود انتخاب فرما لیتے ہیں جس کو جذب

سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کو اپنی ولایت ونسبت اور اپنا تعلق خاص ورضاء وقرب اور معرفت ومعیت سے سرفراز فرمادیتے ہیں۔

اس کو مثال سے یوں سمجھیں کہ ایک بچہ ہے جو آپ سے فاصلہ پر کھڑا ہے اور آپ اس کو ٹافی دینا چاہتے ہیں اب اس کے حصول کی دو شکلیں ہیں:

ا- آپ وہ ٹافی اس بچہ کو دکھائیں اور اس کو ترغیب دیں کہ بیٹا چلے آؤ اور مجھ سے یہ ٹافی لے لو پھر وہ افتاں وخیزاں گرتا پڑتا بمشکل تمام آپ تک پہونچے اور آپ کے ہاتھ سے ٹافی وصول کرے۔

۲- دوسری شکل یہ ہے کہ آپ خود اس بچہ کے پاس پہونچ جائیں اور اس کے ہاتھ میں ٹافی دے دیں۔ پہلے کا نام سلوک ہے اور دوسرے کا نام جذب ہے۔

دنیا کے اندر جہاں لاکھوں سالکین پائے گئے اور آج بھی موجود ہیں اسی طرح ایک اچھی خاصی تعداد مجاذیب کی بھی رہی ہے، اگرچہ زمانہ قدیم کی بہ نسبت حال میں ان میں کمی آئی ہے، لیکن ان کے وجود کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

دلی کے ایک مجذوب کا واقعہ

دلی علماء صلحاء اولیاء مشائخ سالکین مجاذیب کا مرکز رہا ہے اور جامع مسجد کے اردگرد ان کی اچھی خاصی تعداد رہا کرتی تھی جن کو سمجھنے والے سمجھ پاتے تھے، ہر شخص کی

سمجھ سے ان کا مقام وراء ہوا کرتا تھا، عام طور پر لوگ ان کو دیوانہ و پاگل سمجھتے تھے۔

اسی زمانہ میں جب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی گنگوہ میں باحیات تھے ایک مجذوب جامع مسجد کی سیڑھی پر اپنے ہاتھ میں سیب لئے ہوئے اچھال رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ یہ سیب مولوی رشید احمد گنگوہی کھائے گا، ایک صاحب نظر کا گزر اس کے پاس سے ہوا، انہوں نے ٹھہر کر اس کی بات توجہ کے ساتھ سنی اور یہ کہا کہ یہ سیب مجھ کو دے دو اس نے یہ کہتے ہوئے دینے سے انکار کر دیا کہ یہ تو مولوی رشید احمد گنگوہی کا ہے، وہی کھائے گا، کسی طرح صرف دیکھنے کے لئے وہ صاحب اس سیب کو اپنے ہاتھ میں لینے میں کامیاب ہو گئے، وہ کہنے لگے کہ وہ سیب اتنا گرم تھا کہ ہاتھ میں رکھنے کے قابل نہیں تھا، ہاتھ اس کی حرارت کو برداشت نہیں کر پایا اور فوراً اس مجذوب کو وہ سیب واپس کر دیا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع اور خبر ایک باخبر اور صاحب نسبت بزرگ کو ہوئی تو انہوں نے فرمایا اس مجذوب کے ہاتھ کا سیب اگر وہ کھا لیتے تو وہ خود بھی مجذوب ہو جاتے۔

سہارنپور کے ایک مجذوب کا واقعہ

مجاذیب کی حرکتیں عموماً ایسی ہوتی ہیں جو عام لوگوں کی فہم سے بالاتر ہوتی ہیں۔ سہارنپور میں جس وقت حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ قیام پذیر تھے اس وقت ایک مجذوب سڑک پر اس حال میں چلتا ہوا نظر آیا کہ اس کی

حرکت لوگوں کی سمجھ سے باہر تھی، اس کے باوجود ہر طرح کے لوگ اس کے گرد و پیش تماشائی بن کر جمع تھے۔

وہ مجذوب پراگندہ حال پراگندہ بال، انتہائی خستہ و بوسیدہ کپڑوں میں اپنے آلہ تناسل کو ہاتھ میں پکڑے ہوئے یہ کہتا چل رہا تھا کہ یہ اللہ کا الف ہے۔

تماشہ بینوں میں سے ایک صاحب نے کچے گھر میں جا کر پوری صورتحال کی خبر حضرت شیخ کو دی۔ حضرت نے سنانے والے سے یہ کہا کہ اس سے جا کر کہہ دو کہ اللہ کے الف کے نیچے کوئی نقطہ نہیں ہے اور تمہارے الف کے نیچے دو نقطے ہیں۔

چنانچہ انہوں نے حضرت کی یہ بات جا کر اس مجذوب سے کہہ دی مجذوب نے یہ جواب سننے کے بعد فوراً ہاتھ نیچے کر لیا اور زبان بند کر لی اور اس کے بعد دوبارہ یہ جملہ اپنی زبان سے نہیں نکالا۔

عام طور پر مجاذیب کی باتیں اور حرکتیں اسی انداز کی ہوتی ہیں کہ عام لوگ اس کو پاگل و دیوانہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن اہل دل اہل نظر اصحاب نسبت اس کو سمجھ جاتے ہیں کہ مجنوں و دیوانہ ہے، پاگل و باولا ہے یا یہ مجذوب اور اللہ والا ہے۔

ولایت کے مختلف درجات

حضرات صوفیاء و اولیاء کے یہاں ولایت کے مختلف مراتب و درجات

ہیں اور ہر درجہ کے ولی کا اپنا مقام و منصب ہے جس کا سلسلہ تصوف میں الگ اہمیت وعظمت ہے اور جس کے تقدس کو ہر زمانہ میں مشائخ واولیاء نے ملحوظ ومحفوظ رکھا ہے۔

عربی کامقولہ ہے: **لولا الاعتبارات لبطلت الحکمة** اورفارسی کا مقولہ ہے: گرفرق مراتب نہ کنی زندیقی اس لئے مراتب اور مقامات اوراس کے فرق کوبھی ملحوظ رکھنا اور سمجھنا چاہئے۔حضرات صوفیاء کی تحقیق کے مطابق ولایت میں سب سے اونچا درجہ غوث کا ہوتا ہے اورغوث پوری دنیا میں ایک ہی ہوا کرتا ہے،اس کے بعد دوسرے نمبر پر قطب کا درجہ ہوتا ہے اور یہ غوث کے تابع ہوتے ہیں اور دنیا کے چاروں کونوں پر یہ مامور ہوتے ہیں،ان کی باگ ڈور اور لگام غوث کے قبضہ اور ہاتھ میں ہوتی ہے۔غوث ہی کے حکم کے مطابق ان کا عزل ونصب ہوتا ہے اور یہ مسلسل غوث کے تابع ہوتے ہیں۔اس کے بعد تیسرا نمبر نجیب کا ہوتا ہے جو قطب کے نیچے ہوتے ہیں اور یہ ایک شہر میں ایک ہی ہوتے ہیں۔

چوتھے نمبر پر ابدال ہوتے ہیں اور پانچویں نمبر پر جو اولیاء ہوتے ہیں،ان کا نام نقیب ہے،ان میں سب سے اونچا منصب غوث کا ہوتا ہے اور سب سے آخری منصب نقیب کا ہوتا ہے اور باقی مناصب ان کے درمیان کے ہیں۔

بعض حضرات صوفیاء کی رائے یہ ہے کہ ان سب کا ہیڈ کوارٹر غار حرا ہے جہاں یہ سارے حضرات جمع ہوتے ہیں۔

غوث،قطب،ابدال،نجباءونقباءکی انسانوں سے ہمدردی

ایسانہیں ہے کہ یہ اللہ والےصرف اللہ کےہی تعلق میں لگے رہتے ہیں اور خلق کو بھول کرصرف خالق کی رضاء جوئی ہی ان کا مشغلہ ہوتا ہے، بلکہ خلق اور احوال خلق پربھی ان کی نظر ہوتی ہےاورخلق خدا کو پریشان حال دیکھتے یا سنتے ہیں تو ان اللہ والوں کا دل بھی تلملا جاتا ہےاورامت کے لئے اوران کی اصلاح حال کے لئے پریشان ہوجاتے ہیں۔

چنانچہ جب اللہ کی مخلوق اوراللہ کے بندے کسی ابتلاء عام کے شکار ہوتے ہیں تو اس کے ازالہ کے لئے سب سے پہلے حضرات نقباء کھڑے ہوتے ہیں اوراللہ کے حضور میں دست بدعاء ہوتے ہیں، اگران حضرات کی دعاءقبول ہوگئی اورابتلاء ومصیبت سےخلق خداکونجات مل گئی تو فبہا۔

ورنہ پھرنجباءکی جماعت دعاءگوہوتی ہے،اگران حضرات کی دعاءقبول ہوگئی اورابتلاءعام سےاللہ کی مخلوق کونجات حاصل ہوگئی تو فبہاورنہ تیسرےنمبر پراخیارکی جماعت دعاگوہوتی ہے،اگران کی دعاءقبول ہوگئی اورمصیبت عامہ کاازالہ ہوگیاتو فبہا ورنہ پھرچوتھےنمبر پراقطاب دست بدعاءہوتے ہیں اورازالہ مصائب وآلام کے لئے فکرمند ہوجاتے ہیں،اگران حضرات کی دعاءقبول ہوگئی اورابتلاءعام کاازالہ ہوگیاتو فبہا۔ورنہ پانچویں نمبر پرغوث ہاتھ اٹھاتے ہیں،بالآخران کی دعاءقبول ہوتی ہےاور

خلق خدا کو مصیبت عامہ سے راحت ملتی ہے، کبھی یہ سلسلہ دراز بھی ہو جاتا ہے اور کبھی جلدی ہی انتہاء کو پہونچ جاتا ہے۔

بہر حال حضرات اولیاء و صوفیاء و مشائخ دردمند دل رکھتے ہیں اور خلق خدا کے درد کو محسوس کرنے اور اس کے ازالہ و دفعیہ کے لئے پورے طور پر فکر مند ہوتے ہیں اور جب تک راحت نہ مل جائے فکر مند رہتے ہیں اور دعاء کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔

ولی اور ولایت کی تشریح

حضرات صوفیاء اور مشائخ کے یہاں جہاں بہت سے الفاظ رائج ہیں ان میں ایک لفظ ''ولایت'' بھی ہے۔ عام لوگوں کی زبان پر بھی عموماً یہ لفظ دوران گفتگو جاری ہو جاتا ہے کہ فلاں تو اللہ کا ولی ہے۔

سالک کو یہ بھی جان لینا چاہئے کہ ولی اور ولایت کس کو کہتے ہیں اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ لفظ ''ولی'' اتنا عام لفظ نہیں ہے جتنا عام لوگ سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ہر کس و ناکس کو ولی کہہ دینا بغیر اس کے مفہوم کے انطباق کے غلط ہے۔ خاص طور پر سالکین کو تو اس لفظ کے استعمال میں بہت احتیاط برتنا چاہئے۔

حضرت جنید بغدادی کبار مشائخ میں سے ہیں، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ولی والی اسرار ہوتا ہے، ان کی نظر اسرار و رموز پر ہوتی ہے، جہاں دوسروں کی نظر نہیں ہوتی اور

جب اس مقام پر پہونچ جاتے ہیں تو وہ خلعت ولایت سے سرفراز کردیئے جاتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی کی یہ بات بہت اہم ہے جس سے بخوبی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ جو شخص والی اسرار نہ ہو اور اس کی نظر اسرار و رموز پر نہ ہو اس کو صفت ولایت کے ساتھ متصف نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس پر ولی کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے اس حقیقت کو ہر سالک کو چاہئے کہ ذہن نشین کر لے اور الفاظ کے اطلاقات میں عند المشائخ مفاہیم معتبرہ کی اعتباریت کا فقدان نہ ہونے دے جو انتہائی اہم و ضروری ہے۔

ولایت کی قسمیں

حضرات صوفیاء کے یہاں ولایت کی دو قسمیں ہیں: (۱) ولایت خاصہ (۲) ولایت عامہ۔

اگر چہ ان دونوں کے درمیان حضرات صوفیاء کے یہاں کوئی بڑا فرق نہیں ہے تاہم کچھ فرق ضرور ہے۔

اگر کشف و کرامت جیسی نعمت سے ولی کو سرفراز کیا گیا ہے جو اگر چہ اس طریق کا مقصود بالذات نہیں ہے تو اس کی تعبیر ولایت خاصہ سے کی جاتی ہے۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ ولایت خاصہ کے ساتھ اسی ولی کو متصف کیا جاسکتا ہے جو دیگر نوازشات کے ساتھ صاحب کشف و کرامت بھی ہو۔ اور اگر ولی بہت سے

کمالات کا حامل ہو لیکن صاحب کشف وکرامت نہ ہو تو اس کی تعبیر حضرات صوفیاء کے یہاں ولایت عامہ سے کی جاتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ولایت عامہ کے اطلاق کے لئے ولی کا صاحب کشف وکرامت ہونا ضروری نہیں۔

یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ کشف وکرامت اگر چہ لوازمات میں سے نہیں ہے لیکن اس کے مناسبات ولایت میں سے ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بہت سے اولیاء کرام اس وصف کے ساتھ متصف رہے ہیں جن کے واقعات سے تاریخ تصوف کے اوراق لبریز ہیں۔

کشف وکرامت کی تشریح

کشف کے معنی کھلنے کے آتے ہیں، لیکن صوفیاء کی اصطلاح میں کن اسرار ورموز کے کھلنے پر کشف کا اطلاق کیا جاتا ہے ان کے سمجھنے سے پہلے بنیادی بات سمجھنی ضروری ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”**ان فی الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله، وإذا فسدت فسد الجسد كله**“ اسی لئے نظام باطن میں اہل باطن نے بطن سے زیادہ قلب کی اہمیت کو سمجھا ہے، اس لئے بزرگوں کا مقولہ ہے: **قلب المومن بيت**

الـلـه ۔کہ مومن کا دل اللہ کا گھر ہے،یعنی اس کی ذات وصفات کی تجلی گاہ اگر اعضاء انسانی میں کوئی عضو ہے تو وہ قلب ہے،لیکن ہر قلب چونکہ حالات کے ساتھ مقلوب ہوتا رہتا ہے(**یقلب کیف یشاء**)اس لئے احوال بدواعمال بد سے متاثر ہوکر زنگ آلود ہوجاتا ہے۔(**کلا بل ران علی قلوبھم ما کانو یکسبون**) ۔قلب کوکسی کام کے لائق بنانے کے لئے تخلیہ،تجلیہ ،تصفیہ،تنقیہ کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ کام صرف ذکراللہ ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔چنانچہ ارشادنبوی ہے:''**لکل شئ صقالة و صقالة القلب ذکر اللہ**''۔اس لئے خانقاہوں میں جب لوگ بداعمالیوں کی وجہ سے قلب سیاہ لے کر پہونچتے ہیں جوکسی کام کے لائق نہیں ہوتا تو حضرات صوفیاءاس سیاہی کودور کرنے کے لئے ذکرناسوتی ،ملکوتی ، جبروتی ، لاہوتی ، حدادی ،قلندری ،ارہ، سرمدی، سلطان الاذکار کی ضربیں لگواتے ہیں پھر وہ قلب دھیرے دھیرے مجلّٰی ، مزکی ،مصفی ،منقح ہوجاتا ہے۔پھرایک دن وہ آتا ہے کہ یہی ذاکر کہنے لگتا ہے کہ: ؎

تو دل میں تو آتا ہے پر سمجھ میں نہیں آتا
اب جان گئے ہم تیری پہچان یہی ہے۔

پھراس کا دل دَل دَل سے نکل کر دُل دُل ہوجاتا ہے اور قلب المومن بیت اللہ کا مصداق بن جاتا ہے اور اسرار ورموز کی تجلیات کا مہبط بن جاتا ہے اور مکنونات ومخفیات کا مظہر بن جاتا ہے پھرایک دن وہ آتا ہے کہ وہ کہنے لگتا ہے: ؎

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

اسی کا نام کشف ہے اور اس مقام پر پہو نچ کر صاحب مقام صاحب کشف کہلانے لگتا ہے، چونکہ اس کا دل آئینہ بن چکا ہے تو جس طرح ہر چیز کا عکس آئینہ میں آتا ہے اور آئینہ کے سامنے سے گزرنے والا آئینہ کی عکاسی سے اپنے کو بچا نہیں سکتا اسی طرح ایسا آئینہ دار اصحاب قلوب کے پاس پہونچنے والے یا گزرنے والے اعمال بد پر پردہ نہیں ڈال پاتے بلکہ ان کا حال ان پر منکشف ہوجاتا ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں پھونچ کر اپنے کو سنبھالنے کی ضرورت پڑتی ہے اور اظہار سے زیادہ اخفاء وتستر سے کام لینا پڑتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ کا واقعہ

حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ جو امام اعظم کے لقب سے معروف ہیں، وہ جہاں بہت بڑے تاجر تھے، فقہ کے امام بھی تھے، جتنی گہری نظر فن فقہ پر ان کی تھی اور کتاب وسنت اجماع وقیاس سے جس ورع وتقوی، خشیت واحتیاط کے ساتھ مسائل کا استنباط واستخراج کیا اس کی نظیر کم یاب ہی نہیں بلکہ کم یافت ہے۔

حضرت امام صاحب جہاں بہت بڑے فقیہ اور محدث تھے وہیں ایک عابد وزاہد، شب گزار، عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز تسلسل کے ساتھ پڑھنے والے صاحب کشف وکرامت ولی بھی تھے۔

چنانچہ آپ جس مسجد میں نماز ادا کیا کرتے تھے نماز سے پہلے مسجد میں آپ تشریف فرما ہوتے، لوگ نماز کے لئے مسجد میں آتے وضوء کرتے اور نماز کی تیاری کرتے تو وضوء کرتے ہوئے جب چہرہ اور ہاتھ اور پاؤں دھوتے تو ان اعضاء کو دھوتے ہوئے پانی کے قطرات کے ساتھ جن گناہوں کا اثر دھلتا وہ حضرت امام صاحب کونظر آیا کرتا تھا کہ یہ شخص کونسا گناہ کر کے مسجد میں آیا ہے۔ لیکن حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس روئیت پر حیاء آنے لگی کہ اللہ کے بندوں کے عیوب ونقائص، ذنوب و کبائر میری نگاہ سے گزرتے ہیں، لہٰذا حضرت امام اعظمؒ نے اللہ سے گریہ وزاری کے ساتھ دعاء کی کہ اے اللہ مجھ سے یہ دولت چھین لی جائے، مجھے اچھا نہیں لگتا کہ آپ کے بندوں کے عیوب میں دیکھوں، آپ کی ذات پاک ستار ہے اور حکم ہے: ''تخلقوا باخلاق الله'' ۔لہٰذا انسانوں میں بھی تستر کی صفت ہونی چاہئے۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد اللہ نے دعاء قبول کی اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ اس کشف کی دولت سے محروم کر دیئے گئے اور کشف کی دولت سلب کر لی گئی، جس کشف کو حاصل کرنے کے لئے لوگ نہ معلوم کیا کیا زحمتیں اٹھاتے ہیں حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ نے دعاء کی طاقت کے ذریعہ اس دولت کو اپنی ذات سے دور کیا۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجا تا بکجا

روم اور چین والوں کا واقعہ

مولانا روم نے لکھا ہے کہ روم اور چین دونوں جگہ کے لوگ فن تصویر میں مہارت رکھتے تھے اور دونوں اپنے فن کے فنکار تھے، اس لئے دونوں میں پُھنکار بھی تھی، یعنی دونوں دعوے دار تھے کہ میں امام ہوں میں بڑا ہوں، چنانچہ دونوں کی بات بادشاہ تک پہونچی اور بادشاہ نے دونوں کی بات سننے کے بعد دونوں کا امتحان طے کیا۔

بادشاہ کے حکم سے ایک بڑا ہال مقرر کیا گیا اور بیچ میں پارٹیشن ڈال دیا گیا اور ایک کو ایک دیوار دی گئی اور دوسرے کو دوسری۔ اور دونوں سے کہا گیا کہ اس دیوار پر اپنے فن کا مظاہرہ کریں، چنانچہ ایک نے رنگ برنگ کے بیل بوٹے اور اچھی سے اچھی تصویر سازی سے دیوار مزین کیا اور دوسرے نے اپنے حصہ کی دیوار کو گھس کر اور رگڑ رگڑ کر آئینہ کی طرح چمکدار بنا دیا، پھر دونوں نے جا کر بادشاہ سے کہا کہ ہم اپنا فن مکمل کر چکے ہیں، اب آپ چل کر دیکھ لیں۔ بادشاہ نے بیچ کی دیوار ہٹانے کا حکم دیا اس کے بعد بادشاہ اور اس کے ہمراہی بہت سے لوگ دیکھنے کے لئے آئے سب نے اس فنکار کی تعریف کی۔ جس نے دیوار کی گھسائی اور صفائی کر کے آئینہ کی طرح بنا دیا، جس کی وجہ سے سامنے کی طرف کی ساری محنت کا عکس زیادہ خوبصورت انداز میں اس کی دیوار میں نظر آ رہا تھا۔

اسی طرح جب قلب ذکر کی ضربوں کے ذریعہ گھس کر صاف ستھرا ہو جاتا ہے تو اس میں ہر چیز کا عکس نظر آنے لگتا ہے۔

کرامت کی تشریح

کرامت نام ہے خرق عادت کسی چیز کے ظہور کا۔ اگر نبی کے ذریعہ کوئی خرق عادت چیز وجود میں آئے تو اس کو معجزہ کہا جاتا ہے، جیسے ید بیضاء، عصاء موسی کا سانپ بن جانا، یہ وہ خوارق تھے جو حضرات انبیاء علیہ الصلوۃ والتسلیم کو دیئے گئے۔

اور اگر خوارق کا ظہور غیر نبی سے ہو لیکن وہ صاحب ایمان ہو تو اس کو کرامت کہتے ہیں جس کے سیکڑوں واقعات سے تاریخ کے صفحات لبریز ہیں اور زبان زد خاص و عام ہیں، اور اگر خرق عادت چیز کا ظہور کسی غیر مومن کافر و مشرک سے ہو تو اس کو استدراج کہتے ہیں۔

زمانہ قدیم میں بہت سے پنڈت مرتاض گزرے ہیں جن سے بہت سے خوارق کا ظہور ہوا ہے اس پر معجزہ یا کرامت کا اطلاق کرنا غلط ہے، بلکہ اس کے لئے استدراج کا لفظ استعمال کیا جانا چاہئے۔

عربی زبان میں جو الفاظ کتابوں میں پائے جاتے ہیں جو زبانوں پر جاری ہیں، ان کا ایک خاص مفہوم ہے، لہٰذا ان الفاظ کو ان کے مفاہیم کے تناظر میں استعمال کرنا چاہئے، اس کے مفہوم مرادی سے ہٹ کر دوسری جگہ استعمال کرنا اس لفظ کے ساتھ زیادتی اور اس پر ظلم ہے جس کو ہر حال میں ملحوظ رکھنا چاہئے، تا کہ لفظ کا معنی مرادی ضائع نہ ہو۔

پیر کیسا ہونا چاہئے

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے پیر ایسا ہونا چاہئے جو شریعت، طریقت، حقیقت کا علم رکھتا ہو۔ اسی وجہ سے حضرت خواجہ صاحب غیر عالم کو اپنی اجازت سے سرفراز نہیں فرماتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوف مذہب کی روح اخلاق کی جان اور ایمان کا کمال ہے اور اس کا سرچشمہ قرآن وحدیث ہے۔

اسی لئے حضرت امام مالک فرمایا کرتے تھے: "**من تصوف ولم یتفقه فقد تزندق**"۔ جس نے تصوف تو سیکھا لیکن قرآن وحدیث کے علم سے ناآشنا رہا وہ زندقہ کے قریب جاسکتا ہے، بددینی کو دین سمجھ سکتا ہے۔

اسی لئے حضرات صوفیاء نے ہمیشہ اپنے مریدین کو اس کی ہدایت کی کہ کسی شخص کی روحانی عظمت کا اندازہ لگانے کے لئے اس کی زندگی کو قرآن وسنت کے آئینہ میں دیکھنا ضروری ہے۔ بلکہ حضرات صوفیاء کا یہ عقیدہ رہا کہ جس کا عمل قرآن وسنت کے خلاف ہو وہ زندقہ ہے۔

نظام ربوبیت سے ہم آہنگ کرنے والی چیز

حضرات صوفیاء کا ماننا ہے کہ قلب انوارات الٰہیہ کا مرکز ومحل ہے، اللہ کی

معرفت اسی کے ذریعہ ممکن ہے، انسان کے جسم میں گوشت کا یہی وہ ٹکڑا ہے جس کی صلاح وفساد پر دوسرے سارے اعضاء کی اصلاح موقوف ہے، اور یہی وہ حصہ ہے جو انسان کو مبدء فیاض سے ملاتا ہے اور وہاں تک پہونچنے کی راہیں دکھاتا ہے۔ اور اس جسد خاکی کو نظام ربوبیت سے ہم آہنگ کراتا ہے، اسی وجہ سے رب العالمین نے اس کو اپنا دارالسلطنت بتلایا ہے اور ارشاد ہے: ''**قلوب احبائی دار ملکی**'' ۔ اور ارشاد نبوی ہے ''**القلب بیت الله**''۔

لیکن ہر انسان کا دل انوار ربانی کا محل نہیں ہوتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ دل ایک آئینہ کی طرح ہے جس کو علامہ اقبال نے یوں کہا ہے: ؎

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

جب اس آئینہ پر معاصی اور ذنوب کے حجابات پڑ جاتے ہیں تو وہ نظارہ جمال کے قابل نہیں ہوتا۔

جیسا کہ اس سے پہلے یہ بات آچکی ہے کہ ہر انسان میں دو قوتیں کام کر رہی ہیں (۱) قوت بہیمی (۲) قوت ملکوتی۔ ایک قوت انسان کو نیچے کی طرف کھینچتی ہے اور دوسری قوت انسان کو اوپر کی طرف۔ پھر جو قوت توانائی حاصل کر لیتی ہے اسی سے قلب بھی متاثر ہوتا ہے، یعنی جب قوت بہیمی یعنی نفس کا غلبہ ہو جاتا ہے تو آئینہ دل غبار آلود ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس میں انوارات ربانی کو جذب کرنے کی صلاحیت

باقی نہیں رہتی اور نہ ہی وہ نظارہ جمال کے قابل رہتا ہے۔

اس وقت پھر اس کی دھلائی صفائی اور قلعی کی ضرورت پڑتی ہے: "**لکل شئ صقالة و صقالة القلب ذکر الله**"۔

لہٰذا ذکر اللہ کی ضربوں کے ذریعہ اہل اللہ دل کا غبار اور اس کی آلودگی دور کرواتے ہیں اور بالتدریج اس کو مہبط تجلیات ربانی کے قابل بنا دیتے ہیں۔ ؎

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

حضرات صوفیاء اور اغنیاء

حضرات صوفیاء کرام نے کبھی بھی اپنے کو امراء، حکام، سلاطین، اغنیاء کے در کا جانشین نہیں بنایا اور نہ بننا پسند کیا اور نہ بننے والوں کو پسند کیا بلکہ ہمیشہ ان کی اصلاح کی فکر میں رہے اور دعاء کے ساتھ ان کی اصلاح بھی کرتے رہے۔

چنانچہ اسی وجہ سے ملا علی قاریؒ نے یہ لکھا ہے: "**نعم الامیر علی باب الفقیر وبئس الفقیر علی باب الأمیر**"۔ ماضی میں ہمارے مشائخ بہت شدت کے ساتھ اس پر کاربند تھے جس کی ایک دو نہیں سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ

صاحب دل بزرگوں میں سے ایک بزرگ کے ایک نواب مرید نے جب سونا کے پترے پر ایک لمبی چوڑی خطہ اراضی کو نظام خانقاہ کی درستگی کے لئے بطور نذرانہ کے پیش کیا تو اس اللہ کے ولی نے اس کو دیکھنے کے بعد اسی پترہ کے پشت پر یہ شعر لکھوا کر اس اراضی کو قبول کرنے سے معذرت کر دی۔ ؎

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم
با میر خاں بگوئے کہ روزی مقدر است

کہ ہم فقر اور قناعت کی دولت سے مالا مال ہیں اس کو گنوانا نہیں چاہتے، میر خاں سے کہہ دو کہ روزی اللہ کی طرف سے طے شدہ ہے جو وقت پر مل کر رہے گی۔

اصحاب دل اللہ والے نہ کبھی دنیا کے گرویدہ ہوئے نہ دنیا داروں کے چکر میں پڑے نہ امراء واغنیاء کو ضرورت سے زیادہ لفٹ دیا نہ ان کی جاہ وحشمت مال ودولت پر نظر رکھی بلکہ ہمیشہ اس دولت کو عظیم تر سمجھتے رہے جس سے اللہ پاک نے ان کو سرفراز فرمایا اور اسی کی اپنے احباب ورفقاء، محبین ومتعلقین، متوسلین ومسترشدین کو تلقین بھی کرتے رہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے یہاں کچھ امراء واغنیاء ملاقات

وزیارت کے لئے آ گئے حضرت گنگوہی نے ''من کان یومن باللہ و الیوم الآخر فلیکرم ضیفه''۔ کے تحت ان کے اکرام میں ان کے شایان شان دستر خوان کا نظم کروایا۔ جب دستر خوان بچھ گیا، سارے مہمان بیٹھ گئے، مہمانوں کے اکرام میں روز کے خدام جو حضرت کے ساتھ کھانے میں شریک رہا کرتے تھے پیچھے ہٹ گئے، جب حضرت دستر خوان پر تشریف لائے تو خدام کو غیر حاضر پایا تو امراء واغنیاء جو دستر خوان پر بیٹھے ہوئے تھے ان کے سامنے حضرت نے خدام کا نام لے کر بلایا اور فرمایا میاں کہاں ہو؟ خدام نے کہا کہ حضرت یہ بڑے حضرات ہیں اس لئے ہم پیچھے ہٹ گئے بعد میں ہم لوگ کھانا کھالیں گے۔

حضرت گنگوہی نے بلند آواز سے فرمایا کہ: میاں یہ تو مہمان ہیں ابھی ہیں چند گھنٹوں کے بعد چلے جائیں گے، ہمارا مرنا جینا تو تمہارے ہی ساتھ ہے، یہ فرما کر ان کو اپنے قریب بٹھایا اور خدام کو کھانے میں شریک کیا۔

حضرت گنگوہی نے اکرام کے باوجود مذکورہ بالا جملہ فرما کر امراء واغنیاء کو ان کی حیثیت بتلا دی۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی کا واقعہ

جمعہ کا دن تھا حضرت مولانا قاسم نانوتوی اپنے حجرہ میں جو مسجد چھتہ کے اتر

طرف تھا تشریف فرما تھے کہ ایک نواب صاحب ملاقات کے لئے تشریف لائے، ملاقات کے بعد پیسوں کی ایک تھیلی حضرت کی خدمت میں پیش کی، لیکن پیش کرنے کا انداز اچھا نہیں تھا، نوابیت کی اکڑ کے ساتھ پیش کیا جس کو حضرت نانوتوی نے محسوس کرلیا اور جس کی وجہ سے اس ہدیہ کو قبول کرنے سے اعراض کیا اور اعراض کرتے ہوئے آپ نے رخ تبدیل کرلیا، نواب نے اس کو محسوس کیا بدلے ہوئے رخ کے سامنے پہونچ کر پیش کیا، حضرت نے تیسری طرف رخ کرلیا نواب جب اس طرف پہونچا تو حضرت نے اعراض کرتے ہوئے چوتھی طرف رخ کرلیا وہ اصرار کرتا رہا لیکن حضرت نے قبول نہیں کیا، اخیر میں نواب جب باہر نکلا تو حضرت کی جوتیوں میں پیسوں کی تھیلی ڈال کر چلا گیا حضرت کو اس کی خبر نہیں تھی جمعہ کے لئے تیار ہوکر جب جامع مسجد جانے کے لئے باہر نکلے تو جوتیوں میں پڑی ہوئی تھیلی کو دیکھا، آپ نے اس کو ہاتھ بھی نہیں لگایا بلکہ پاؤں کی دو انگلیوں سے تھیلی کو باہر نکال دیا، یہ فرماتے ہوئے کہ یہ دنیا بھی عجیب ہے جب اس کو ٹھکرادو تو جوتیوں میں آکے پڑ جاتی ہے، اس کے بعد جوتیاں پہن کر جامع مسجد جمعہ کے لئے تشریف لے گئے۔

حضرت تھانوی کا واقعہ

ایک مرتبہ ایک نواب صاحب کی دعوت پر حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کا سفر ہوا

جب آپ نواب صاحب کے یہاں پہونچ گئے اور قیام پذیر ہوگئے تو نواب صاحب نے دوران گفتگو کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے ان کی نوابیت کا غرور مترشح ہورہا تھا، حضرت تھانوی اس کو برداشت نہیں کر پائے، آپ نے اپنا تھیلا اور چھڑی اٹھائی اور واپسی کے لئے تیار ہوگئے، نواب نے بہت اصرار کیا لیکن آپ رکے نہیں، واپسی کیوقت یہ فرماتے ہوئے واپس ہوگئے کہ:

نواب صاحب دو چیزوں کے آپ بھی محتاج ہیں اور میں بھی (۱) دین (۲) دنیا۔آپ کے پاس دنیا تو ہے لیکن دین سے بالکل کورے ہیں۔

اور الحمد للہ میرے پاس دین مکمل ہے اور دنیا بھی بقدر ضرورت ہے، لہٰذا آپ میرے محتاج ہیں، میں آپ کا محتاج نہیں۔

اس طرح حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے نواب صاحب کے غرور کا نشہ چور کر دیا اور اپنے کرایہ سے واپس آ گئے۔

محبت کی حقیقت

حضرات صوفیاء کرام کے یہاں لفظ محبت کا بھی استعمال بکثرت ہوتا ہے، لہٰذا ہر سالک کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ حضرات صوفیاء کے یہاں محبت کے معنی کیا ہیں۔محبت کے معنی ہیں انسانی زندگی کا سمٹ کر ایک مرکز پر آجانا اس طور پر کہ اس کا بال بال پکار اٹھے "**إن صلوتی ونسکی ومحیای و مماتی لله رب العالمین**"۔

میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اسی اللہ کے لئے ہے جو سارے جہاں کا پالنہار ہے اس کے بعد سالک کا یہ حال ہو جائے کہ بغیر ذکر الٰہی اور یاد الٰہی کے اس کو چین نہ ملے اور بقول حضرت شبلی:

"الفقير من لا يستغني بشئ دون الله"

کہ فقیر سوائے اللہ جل شانہ کے کسی چیز سے آرام نہیں پاتا۔ اگر یہ کیفیت کسی سالک میں پیدا نہ ہو تو وہ شاہ اور فقیر کہلانے کے لائق نہیں ہے، اس کے نفس کے تقاضے خاموش ہو جائیں اور اللہ کے لئے وہ جینے لگے۔

اللہ کے لئے جینے کا مطلب

اللہ کے لئے جینا ارتقاء انسانیت کی آخری منزل ہے، نیت کا ایک زبردست انقلاب ہے، ایسا انقلاب جو انسانی زندگی کے مرکز و محور کو بدل دیتا ہے، انسان کا ہر کام کسی اعلیٰ مقصد کی تکمیل کے لئے ہونے لگتا ہے، کرنے کو وہ ہر کام کرتا ہے، لیکن اس کی نیت عام انسانوں سے مختلف ہوتی ہے، اس دقیق مسئلہ کو اس واقعہ سے سمجھا جا سکتا ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک اللہ کے ولی دریا کے کنارے رہا کرتے تھے، ان کی اہلیہ بھی ساتھ میں

تھیں، ایک دن اس اللہ کے ولی نے اپنی بیوی سے کہا کہ یہ کھانا لے کر دریا کے اس پار جاؤ اور اس فقیر کو دے کر آؤ جو اس پار بیٹھا ہوا ہے، بیوی نے کہا پانی بہت گہرا ہے، کشتی بھی نہیں ہے، اس گہرے پانی والے دریا کو میں کس طرح پار کروں گی، اس اللہ کے ولی نے کہا کہ دریا کے کنارے جا کر کہنا کہ میرے شوہر کی عزت کی قسم جس نے کبھی مجھ سے صحبت نہیں کی، مجھ کو راستہ دے دے، بیوی یہ جملہ سن کر حیران و ششدر ہو گئی اور اپنے دل میں سوچا کہ اس سے میرے بطن سے اتنے بچے پیدا ہوئے، اور یہ کہتے ہیں میں نے صحبت ہی نہیں کی، لیکن شوہر کے حکم کے مطابق بیوی کھانا لے کر دریا کے کنارے پہونچی اور وہی جملہ کہا جو شوہر نے کہا تھا اور اس کے بعد دریا نے راستہ دے دیا اور وہ پار بھی ہو گئی، دوسرے کنارہ پہونچ کر اللہ کے ولی کے سامنے کھانا رکھا، جب وہ کھانے سے فارغ ہو گئے تو وہ عورت سوچنے لگی کہ آنے کو تو میں شوہر کا بتلایا ہوا جملہ کہہ کر آ گئی اب واپس کس طرح جاؤں۔

عورت کی حیرانی و پریشانی کو دیکھ کر اللہ کے ولی نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کیوں پریشان ہو؟ اس نے پورا واقعہ سنایا، اس اللہ کے ولی نے عورت سے کہا کہ ٹھیک ہے واپسی پر جب دریا کے کنارے پہونچنا تو اس دریا کو مخاطب کر کے کہنا کہ اس درویش کی قسم جس نے تیس برس سے کھانا نہیں کھایا، مجھے راستہ دیدو، عورت یہ بات سن کر حیران رہ گئی کہ ابھی تو انھوں نے میرے سامنے کھانا کھایا ہے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ تیس سال سے کھانا نہیں کھایا، لیکن اس عورت نے دریا کے کنارے پہونچ کر وہی

جملہ دہرایا جو اس اللہ کے ولی نے کہا تھا۔ اور اس کے بعد دریا نے راستہ دیدیا۔

لیکن جب یہ اپنے شوہر کے پاس پہونچی تو اپنے شوہر کے سر ہوگئی کہ پہلے مجھے ان دونوں باتوں کا راز بتلاؤ کہ تم سے میرے کئی بچے پیدا ہوئے اس کے باوجود تم نے یہ کہا کہ جس نے کبھی مجھ سے صحبت نہیں کی، اور دریا کے اس کنارہ والے اللہ کے ولی نے میرے سامنے کھانا کھایا اس کے باوجود کہا کہ میں نے تیس سال سے کھانا نہیں کھایا ہے، آخر ان دونوں باتوں کی حقیقت کیا ہے؟ میں جاننا چاہتی ہوں، اللہ کے ولی نے کہا میں نے تجھ سے صحبت ضرور کی لیکن کبھی بھی نفسانی خواہش کی تکمیل کی نیت نہیں رہی، اسی طرح دریا کے اس پار رہنے والے اللہ کے ولی نے کھانا ضرور کھایا لیکن کبھی نفسانی طبع سے کھانا نہیں کھایا بلکہ محض عبادت اور طاعت سمجھ کر کھایا، اس کے بعد وہ عورت خاموش ہوگئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والے جو کچھ کرتے ہیں وہ صرف اللہ ہی کے لئے کرتے ہیں، ان کے پیش نظر صرف اور صرف حکم کی تعمیل وتکمیل ہوتی ہے، نفسانی خواہش کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔

اللہ کے ایک ولی کا دوسرا واقعہ

شیخ عبداللہ خفیف اونچے بزرگوں میں سے ہیں، ایک صاحب نے ان کی

ایک دن دعوت کی، جب داعی کے گھر پہونچے تو دسترخوان رنگ برنگ کے کھانوں سے بھرا ہوا تھا، ان کھانوں میں بادام کا حلوہ بھی تھا، جہاں آپ فروکش ہوئے آپ کے قریب تر بادام کا حلوہ تھا، آپ نے ایک لقمہ نوش فرمایا، بہت لذیذ، بہت عمدہ لگا، اس لئے آپنے دوسرا لقمہ لے لیا، لیکن معاً یہ خیال پیدا ہوا اس دوسرے لقمہ میں نفس کی لذت شامل ہوگئی ہے، لہٰذا ابھی لقمہ نگلا بھی نہیں تھا کہ اپنی زبان کو دانتوں سے دبا کر کاٹنا شروع کردیا، یہاں تک کہ خون نکلنے لگا، شریک دسترخوان احباب یہ منظر دیکھ کر حیران و پریشان ہوئے، وجہ دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ پہلا لقمہ کھانے کے بعد دوسرا لقمہ خدا کے لئے نہیں بلکہ لذت نفس کے لئے میں نے کھایا، لہٰذا میں نے اس کی سزا زبان کو دی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب اللہ کے لئے جینا آجاتا ہے تو زندگی کا پورا رُخ ہی تبدیل ہوجاتا ہے اور بندہ کا ہر کام عبادت بن جاتا ہے۔ بلکہ پوری زندگی ہی عبادت بن جاتی ہے۔ اسی لئے حضرات صوفیاء کہتے ہیں کہ زندگی صرف وہی ہوتی ہے جو یاد حق میں بسر کی جائے، باقی سب دھوکہ ہے۔

ایک بزرگ کا ایک تیسرا واقعہ

شاہ میرک نامی ایک اللہ کے ولی تھے، اسی زمانہ میں ایک دوسرے اللہ والے

کوان کی زیارت کا شوق ہوا جن کے دل میں یہ شوق پیدا ہوا ان کو یہ کرامت حاصل تھی کہ وہ جو بھی خواب دیکھتے وہ سچ ہوتا تھا، اس کی تعبیر بعینہ وہی ہوتی تھی جو وہ دیکھتے تھے، جب شاہ میرک کی زیارت کا شوق غالب ہوا تو بغرض زیارت وہ گھر سے نکل پڑے کچھ دور سفر طے کرنے کے بعد دوران راہ خواب میں دیکھا کہ شاہ میرک کا انتقال ہوگیا ہے، صبح اٹھ کر وہ اللہ کے ولی بہت پریشان ہوئے اور افسوس ہوا کہ میں نے اتنا لمبا سفر ان کی زیارت کے لئے کیا اور اس سے بھی میں محروم رہ گیا۔

لیکن معاً یہ خیال پیدا ہوا کہ جب یہاں تک پہونچ گئے ہیں تو چلو ان کی قبر ہی کی زیارت کر کے آجائیں، چنانچہ جب وہاں پہونچے تو پہونچ کر لوگوں سے شاہ میرک کی قبر پوچھنا شروع کیا، لوگوں نے حیرت سے کہا کہ تم ان کی قبر پوچھ رہے ہو حالانکہ وہ تو ابھی زندہ ہیں، یہ جواب سن کر وہ اللہ کے ولی بہت پریشان ہوئے اور حیران ہوئے کہ میرا خواب جھوٹا کیسے ہوگیا جبکہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔

بہر حال حضرت شاہ میرک کے پاس پہونچ کر سلام کیا، قبل ازیں کہ یہ کچھ بتلاتے شاہ میرک ان کو دیکھ کر خود فرمانے لگے کہ اے خواجہ تیرا خواب سچا تھا جھوٹا نہیں، کیونکہ میں ہمیشہ یاد خداوندی میں مصروف رہتا تھا، لیکن آج کی رات یاد خداوندی کے بجائے کسی اور کام میں مشغول ہوگیا اس کی وجہ سے منادی کرادی گئی کہ میرک آج مرگیا۔ سچ ہے:

''نزدیکاں را بسیار بود حیرانی''

اور

"حسنات الأبرار سيئات المقربين"

اس سے معلوم ہوگیا کہ اللہ کے لئے جینے کا مطلب کیا ہے اور زندگی صرف وہی ہے جو یادِ حق میں بسر کی جائے اور جو لمحات یادِ حق سے غفلت میں گزرے وہ موت کے مترادف ہے، اس چیز کو ہمارے اسلاف اور مشائخ نے خوب سمجھا اور ان رموز کو ہر سالک کو سمجھنا چاہئے۔

محبت الٰہی کا اثر انسانی زندگی پر

محبت خداوندی کا جذبہ جب انسان کے دل میں گھر کر جاتا ہے تو اس کے فکر و عمل کا کوئی بھی گوشہ اس سے اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہتا، محبت الٰہی کا سب سے بڑا اثر انسانی زندگی پر یہ ہوتا ہے کہ انسانی زندگی میں مرکزیت پیدا ہو جاتی ہے، جو مرکزیت نظام ربوبیت کی ایک شان اور خدا کی وحدانیت پر کامل ایمان کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس کے برخلاف شرک انسانی فکر و عمل کی مرکزیت کو فنا کر دیتا ہے، پھر جو چیز اس مرکزیت کو جو ایمان کی اصلی شان ہے پیدا کرتی ہے وہ محبت ہے، اسی وجہ سے اللہ سے سچی محبت کا رشتہ رکھنے والا انسان ہر وقت اپنے آپ کو اس کی بارگاہ میں پاتا ہے، خدا کی موجودگی کا یقین اس کو اس طرح ہوتا ہے گویا کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، اسی لئے خواجہ نظام الدین اولیاء کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ خدا کی طرف اس محویت کے ساتھ متوجہ رہتے تھے گویا

کہ اس کو دیکھ رہے ہیں اور یہی وہ فلسفہ ہے جس کو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا:

"أن تعبد الله كأنک تراه فان لم تکن تراه فانه یراک"۔

جب انسان ذات باری تعالیٰ کو اس طرح اپنے نزدیک محسوس کرنے لگتا ہے تو معصیت کی تمام راہیں اس کی زندگی میں مسدود کر دی جاتی ہیں پھر وہ اپنے محبوب میں اتنا محو ہو جاتا ہے کہ گناہ کرنے کی فرصت ہی اس کو نہیں ملتی۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صرف اس بات کا استحضار کہ خدا اس کو دیکھ رہا ہے، انسان کو بہت سے گناہوں سے روک دیتا ہے۔

بصرہ کے ایک رئیس کا واقعہ

بصرہ کا ایک رئیس ایک بڑے باغ کا مالک تھا، ایک دن وہ اپنے باغ میں گیا باغباں کی بیوی خوبصورت تھی، رئیس کی نظر جب اس پر پڑی تو وہ اس پر گرویدہ ہو گیا، رئیس نے اپنی خواہش نفسانی کی تکمیل کے لئے باغباں کو کسی کام سے باہر بھیج دیا اور عورت کو بلا کر دروازہ بند کرنے کو کہا، عورت نے رئیس کو جواب دیا کہ سارے دروازے تو بند کر سکتی ہوں، لیکن ایک دروازہ میں بند نہیں کر سکتی، رئیس نے پوچھا وہ کونسا؟ عورت نے جواب دیا "درے کہ میان ما و خداوند است"، یعنی وہ دروازہ جو ہمارے اور خدا کے درمیان ہے، رئیس پر اس عورت کے اس جملہ کا ایسا اثر ہوا کہ اس نے فوراً اپنی حرکت سے توبہ کیا اور باہر نکل گیا۔

اللہ کے ایک ولی کا دوسرا واقعہ

اسی طرح کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک اللہ والے تھے، ان کے بہت سارے خدام تھے، لیکن ایک خادم ایسا تھا جو باؤلا ٹائپ دیکھائی دینے کے باوجود حضرت کا وہ منظور نظر تھا، اور حضرت سب سے زیادہ اسی کو چاہتے تھے جس کی وجہ سے وہ محسود بن گیا تھا۔

حضرت کو ایک دن خیال آیا کہ اس باؤلے خادم کے منظور نظر ہونے کی علت خفیہ سب کے سامنے آجانی چاہئے، چنانچہ حضرت نے سب کو بلایا اور سب کے ایک ہاتھ میں ایک چاقو اور ایک ہاتھ میں ایک زندہ پرندہ دے دیا اور یہ کہہ کر سب کو رخصت کر دیا کہ جاؤ ایسی جگہ سے ذبح کر کے لاؤ جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو، چنانچہ تمام خدام گئے، کوئی دس منٹ میں کوئی پندرہ منٹ میں، کوئی بیس منٹ میں کوئی آدھے گھنٹے میں پرندہ ذبح کر کے لے آئے، لیکن وہ باؤلا خادم کافی دیر کے بعد واپس آیا اور جب آیا تو ایک ہاتھ میں چاقو اور دوسرے ہاتھ میں زندہ پرندہ تھا۔

حضرت نے اس کے بعد ہر ایک سے پوچھا کہ تم نے کہاں ذبح کیا؟ ہر ایک نے جگہ بتائی، پھر پوچھا کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا تھا؟ ہر ایک نے جواب دیا حضرت کوئی نہیں، سب سے اخیر میں اس باؤلے خادم کی باری آئی جس کے ہاتھ میں زندہ پرندہ تھا، حضرت نے اس سے پوچھا کہ بیٹا تمہارے سب ساتھی اپنا اپنا پرندہ ذبح کر کے لے آئے، کیا تم کو کوئی ایسی جگہ نہیں ملی جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو؟ اس باؤلے خادم نے

کہا کہ حضرت آپ نے یہ فرمایا تھا کہ ایسی جگہ سے ذبح کر کے لاؤ جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو اور مجھ کو کوئی جگہ ایسی نہیں ملی جہاں خدا نہ دیکھ رہا ہو۔

یہ جواب سن کر حضرت پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی اور سارے خدام ششدر و حیران رہ گئے اور سب کی سمجھ میں آ گیا کہ یہ منظور نظر کیوں ہے۔

اللہ کے استحضار کا فائدہ

جب معبود حقیقی کی ذات کا استحضار ہو جاتا ہے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور میں اس کے کیمرے کے سامنے ہوں تو انسان کی زندگی میں ایک صالح انقلاب برپا ہو جاتا ہے اور دھیرے دھیرے وہ معاصی سے کنارہ کشی اختیار کرنے لگتا ہے اور ایک دن وہ آتا ہے کہ معاصی سے اس کو نفرت ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں دھیرے دھیرے اس کی زندگی میں اللہ کا تعلق بڑھنے لگتا ہے اور قرب خداوندی میں اضافہ ہونے لگتا ہے، پھر ایک دن وہ آتا ہے کہ اس پر محبت الٰہی کا پوری طرح غلبہ ہو جاتا ہے، پھر اس کی نظر میں سونا اور پتھر برابر ہو جاتا ہے، مادی دنیا کی رعنائیاں وشادابیاں اس کے لئے بے اثر ہو جاتی ہیں۔

حضرت جنید بغدادی کا ایک واقعہ

حضرت جنید بغدادی کا شمار کبار مشائخ صوفیاء میں ہوتا ہے۔ اللہ والوں پر

کبھی کبھار کسی چیز کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اس غلبۂ حال میں یہ حضرات اللہ سے بے تکلفی کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں، جس طرح ایک دوست اپنے دوست سے بے تکلفی کے ساتھ ہر بات کر لیتا ہے۔

چنانچہ حضرت جنید بغدادی نے مناجات کرتے ہوئے اللہ سے یہ درخواست کی کہ اے اللہ جنت میں میرا ساتھی کون ہوگا؟ اس پر آواز آئی کہ اے جنید فلاں چرواہا۔

حضرت جنید بغدادی ایک خاص تصور کے ساتھ چرواہے سے ملاقات کے لئے نکل پڑے اور اس کے پاس پہونچ کر کئی روز قیام فرمایا، اس کے شب و روز کے معمولات دیکھے اس کے حالات اور باطنی کیفیات کا جائزہ لیا، اس کے بعد اجنبی بن کر ایک دن اس سے پوچھا کہ بھائی تمہارے اندر کون سا ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے بارگاہ خداوندی میں تمہارا اتنا اونچا مقام ہے؟ حالانکہ میں کئی روز سے تمہارے شب و روز کو دیکھ رہا ہوں سوائے پنج وقتہ نماز کے اور کوئی خاص بات نظر نہیں آئی، اس لئے وہ خاص بات جاننا چاہتا ہوں۔ چرواہے نے کہا کہ جو تم نے دیکھا ہے واقعہ یہی ہے، اس کے علاوہ میرے اندر کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں یہ نہیں جانتا کہ ریاضت و مجاہدہ کیا ہوتا ہے اور باطن کیا ہوتا ہے، البتہ مجھ میں دو باتیں ایسی ہیں جن کو میں محسوس کرتا ہوں اور بتاتا ہوں۔

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان سب پہاڑوں کو سونا کر دے اور میرے تصرف میں دیدے اور پھر وہ سارا سونا مجھ سے واپس لے لیا جائے تو اس کے جانے کا مجھ کو کوئی رنج و غم نہیں ہوگا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مجھ پر احسان کرے یا ظلم کرے تو میں اس کو اس کی طرف سے نہیں سمجھتا بلکہ اللہ کی طرف سے سمجھتا ہوں۔

یہ جواب سن کر حضرت جنید بغدادی حیران رہ گئے کہ یہ ایک چرواہے کی کیفیت ہے۔ سچ ہے یہ کیفیات محبت الٰہی سے پیدا ہوتی ہیں اور جب محبت اس درجہ کو پہونچ جائے کہ بندہ اپنے کو محبوب کے حوالہ کر دے خواہ وہ اسے زندہ رکھے یا مار دے تو اس میں توکل اور استغناء کی ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو دنیا کی جاہ وحشمت، دولت وثروت کو ہیچ در ہیچ بنا دیتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والتسلیم کا ایک واقعہ

جس طرح حضرت جنید بغدادی نے جنت کے اپنے ہمنشین وساتھی کے بارے میں سوال کیا اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والتسلیم نے بھی اللہ سے یہی درخواست کی۔

اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا فلاں شہر میں چلے جاؤ وہاں پر ایک قصاب ہے، اس کا چہرہ ایسا ہے، وہی جنت میں تمہارا ہم نشیں اور ساتھی ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شہر کی اس دکان پر گئے جس کی اللہ کی طرف سے نشاندہی کی گئی تھی، چنانچہ اس شخص کو وہاں موجود پایا لیکن وہ شخص گوشت کی فروختگی کے کام میں بہت زیادہ مصروف تھا، اس لئے غروب تک یعنی دکان کے بند ہونے تک اس کا انتظار کیا،

دکان بند کرنے سے پہلے قصاب نے گوشت کا ایک ٹکڑا لیا اور ایک تھیلی میں اس کو رکھ لیا جب وہ دکان بند کرکے گوشت کی تھیلی اپنے ساتھ لے کر گھر کے لئے روانہ ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والتسلیم نے اس سے کہا کیا میں تمہارا مہمان بن سکتا ہوں؟ اس نے کہا کیوں نہیں، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والتسلیم اس قصاب کے ہمراہ ہو لئے تا آنکہ وہ اپنے گھر پہونچا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام گھر کے اندر کے اس کے مشاغل اور کام کو بہت دھیان سے دیکھتے رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ گھر میں جانے کے بعد وہ شخص کچن میں گیا، گوشت نکالا اس کی بوٹی بنائی اس کے بعد اس کو بھون کر اچھا سالن اور شوربا تیار کیا، اس کے بعد اس نے ایک پیالہ میں گوشت کا شوربا لیا اور گھر کے ایک کونہ سے ایک تھیلا اتارا جس میں ایک انتہائی کمزور بوڑھی عورت بیٹھی ہوئی تھی، جیسے کبوتر کا کوئی بچہ ہو اس شخص نے بہت محبت اور پیار سے اس زنبیل سے بوڑھی عورت کو نکالا، اس کے بعد اس نے چمچہ سے گوشت کا شوربا اس کو پلایا ایک ایک چمچہ کر کے اس کے منھ میں ڈالتا رہا یہاں تک کہ وہ شکم سیر ہوگئی، اس کے بعد اس شخص نے اس کے کپڑے لئے اس کو دھویا اور سکھایا اور پہنایا پھر اسی زنبیل میں اس کو رکھ دیا۔

اس بوڑھی عورت کے دونوں ہونٹ ہلے حضرت موسی علیہ السلام فرماتے ہیں میں نے اس کے ہونٹ کے ہلنے کو دیکھا تو میں قریب گیا کہ سنوں وہ کیا کہہ رہی ہے، میں نے سنا وہ کہہ رہی تھی: "**اللھم اجعل ابنی جلیس موسی فی الجنة**" کہ اے اللہ میرے بیٹے کو جنت میں موسی کا ہم نشین اور ساتھی بنا، اس کے بعد اس شخص

نے زنبیل اٹھائی اوراس کوکھونٹی سے ٹانگ دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قصاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس خدمت کے علاوہ کوئی اور خدمت یاعمل تمہارے پاس ہے؟اس نے کہانہیں۔

قصاب نے کہا کہ یہ میری امی جان ہے، یہ اتنی ضعیف وکمزور ونحیف ولاغر ہوچکی ہیں کہ بیٹھنے پر قادر نہیں ہیں، ان کے ساتھ یہ خدمت وسلوک و برتاؤ میرا ایک زمانہ سے ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بشارت ہوتمہارے لئے میں ہی موسیٰ ہوں اورتم میرے ہم نشین وساتھی ہوجنت میں،اورتم کو یہ سعادت عظمیٰ اس بوڑھی وکمزور وضعیف والدہ کی خدمت اوران کے ساتھ حسن سلوک اوراچھے برتاؤ کے ثمرہ ونتیجہ میں ملی ہے۔

یقیناً بوڑھے ماں باپ کی خدمت ضائع نہیں ہوتی، آخرت کے ساتھ دنیا میں بھی اس کا بہترین اجراور صلہ ملتا ہے، کاش آج کے نوجوانوں کی سمجھ میں یہ بات آجائے تواسی بلکہ نوے فیصد گھروں میں ماں باپ کس مپرسی کی حالت میں جو ہیں اور صبح وشام ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی لگی رہتی ہے، وہ بند ہوجائے اور ہر جوان خوشگوار زندگی گزارنے کا مستحق بن جائے۔

شاہ عبدالعزیز دباغ کا واقعہ

شاہ عبدالعزیز دباغ ان شخصیات میں سے ہیں جن کواللہ نے علم وہبی سے

سرفراز فرمایا تھا اور علم میں اتنا کمال حاصل تھا کہ بڑے بڑے علماء ومشائخ ومحدثین حیران وانگشت بدنداں تھے، بہت سے علماء ومحدثین اپنے تلامذہ کے ذریعہ آپ کا امتحان لیا کرتے تھے لیکن امتحان میں کبھی آپ فیل نہیں ہوئے۔

ایسا بھی ہوا کہ قرآن کریم کی آیت کا کچھ حصہ اور حدیث پاک کے کچھ اجزاء اور انسانی کلام کا کوئی جملہ ملا کر کسی کو بھیجا کہ جاؤ اور پوچھو کہ یہ حدیث ہے یا قرآن؟

حضرت شاہ صاحب کا معمول یہ تھا کہ اس انداز کا کوئی سوال لے کر آتا تو اس کو پڑھنے کو فرماتے جب وہ پڑھتا تو سن کر آپ فرمادیتے کہ اتنا حصہ قرآن کریم کا ہے اور یہاں سے یہاں تک حدیث پاک ہے، اور فلاں جگہ سے فلاں جگہ لوگوں کا کلام ہے، لوگ اس تحقیقی جواب پر حیران وپریشان ہوجاتے اور تسلیم وقبول کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ خادم نے تخلیہ میں حضرت سے دریافت کیا کہ حضرت یہ کیسے آپ کو معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ قرآن ہے اور یہ حدیث اور یہ لوگوں کا کلام ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ قرآن کریم کا نور الگ ہے اور حدیث پاک کا نور الگ ہے، دونوں کے انوارات میں فرق ہے اور ان دونوں انوارات سے میں واقف ہوں، اس کے برخلاف انسانوں کے کلام میں کوئی نور نہیں ہوتا بلکہ ظلمت ہی ظلمت ہوتی ہے۔

جب پڑھنے والا میرے سامنے کلام پڑھتا ہے تو اگر قرآن کی آیت ہوتی ہے تو اس کے انوارات نکلتے ہیں، میں سمجھ جاتا ہوں کہ یہ قرآن کریم اور کلام الٰہی ہے۔

اور جب حدیث پڑھتا ہے تو حدیث پاک کے انوارات الگ ہوتے ہیں، جب پڑھنے والے کی زبان سے وہ انوارات نکلتے ہیں تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ یہ حدیث

ہے اور جب ان دونوں انوارات میں سے کوئی نور نہیں نکلتا بلکہ ظلمت اور تاریکی شروع ہوجاتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ یہ انسانوں کا کلام ہے۔

اس راز سربستہ کو سن کر خادم حیران رہ گیا، یہ اللہ کا خصوصی فضل اور اس کا انعام ہے جس سے وہ اپنے جس بندہ کو چاہے نواز دے، اس میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے۔

لیکن کمال تو بہر حال کمال ہے، جب آدمی کسی لائن میں درجۂ کمال کو پہونچ جاتا ہے تو جہاں اس کی مقبولیت وشہرت میں اضافہ ہوتا ہے وہیں اس کے حاسدین بھی کچھ پیدا ہوجاتے ہیں اور خواہ مخواہ کچھ لوگوں کے حسد کی ہانڈی میں ابال شروع ہوجاتا ہے اور حسد کی ہانڈی جوش مارنے لگتی ہے جس کے نتیجہ میں وہ خود جل بھن کر خاک ہوجاتا ہے اور محسود کا کوئی نقصان نہیں ہوتا (**الحسد کصداء الحدید لایزال به حتی یاکله**)۔

محبت اور عشق میں فرق

محبت کہتے ہیں میلان نفس کو یعنی کسی چیز کی طرف دل کا مائل ہونا، جھک جانا، راغب ہوجانا اور اس کے چار اسباب ہیں:

(۱) جمال (۲) کمال (۳) احسان (۴) قرابت۔

عموماً ان چار اسباب میں سے کسی ایک سبب یا کئی اسباب کے پائے جانے کی وجہ سے قلبی میلان و جھکاؤ اس کی طرف ہوجاتا ہے۔ وہ میلان اور جھکاؤ اگر ابتدائی درجہ میں ہو تو اس کو محبت کہتے ہیں اور اگر یہ جھکاؤ اپنی انتہاء کو پہونچ جائے اور

اس درجہ محبوب کی قربت پیدا ہوجائے کہ بغیر محبوب کے محبّ کے لئے زندگی گزارنا مشکل ہوجائے اوراس کے ساتھ ایک خاص قسم کی سوزش اور جلن محبوب کی عدم یافت پرمحسوس کرنے لگے تو اس مقام پر پہونچ کر محبت عشق سے تبدیل ہوجاتی ہے، جس کو کسی نے یوں کہا ہے ؎

عاشق کو خدا زر دے یا زیر زمیں کردے

معشوق کو خدا پر دے یا پردہ نشیں کردے

اور جب عاشق اپنے معشوق کو پالیتا ہے تو اپنی ہر چیز اس پر نچھاور کردیتا ہے بلکہ اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کتنا زیادہ سے زیادہ مجھے مل جائے جسے میں اپنے معشوق پر لٹا سکوں اور وہ پھر اپنی فکر نہیں رکھتا بلکہ ہر آن ولمحہ معشوق کی رضا جوئی راحت رسانی کی فکر میں پڑا رہتا ہے۔

لیکن یہاں یہ نکتہ بھی سمجھنے کے قابل ہے کہ عشق کس کے دل میں پہلے پیدا ہوتا ہے، عاشق یا معشوق۔ یہ شعر یہ بتاتا ہے کہ معشوق کے دل میں عشق پہلے پیدا ہوتا ہے ؎

عشق اول در دل معشوق پیدا می شود

تانسوزد شمع کے پروانہ شیدا می شود

اس شعر میں شاعر نے پہلے مصرعہ میں جو دعویٰ پیش کیا ہے اس کی دلیل اس نے دوسرے مصرعہ میں بیان کردی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عشق پہلے معشوق کے دل میں پیدا ہوتا ہے تب اس کا کوئی عاشق پیدا ہوتا ہے۔

لہٰذا دنیاوی عشق میں قابل احتساب عاشق سے زیادہ معشوق کو بنایا جانا چاہئے،

حالانکہ عموماً عاشق پہلے نمبر پر زیر عتاب آتا ہے اس کے بعد معشوق کا نمبر آتا ہے۔

خواجہ نظام الدین اولیاء کا ایک واقعہ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء جو سلسلہ چشتیہ کے اونچے مشائخ میں سے ہیں جن کے نام پر دلی میں آج بھی پوری بستی، بستی حضرت نظام الدین کے نام سے موسوم ہے اور ریلوے اسٹیشن بھی ان کے نام سے موسوم ہے، اور اسی بستی حضرت نظام الدین میں حضرت خواجہ صاحب کا مزار ہے جہاں لاکھوں انسانوں کی آمد و رفت کے ساتھ آپ کا روحانی فیضان جاری و ساری ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء جب سلوک کے مراحل طے فرما رہے تھے اس وقت غیب سے ایک آواز آئی کہ نظام الدین! عاشق بننا چاہتے ہو یا معشوق اور یہ آواز کئی روز تک مسلسل آتی رہی۔ حضرت کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کا کیا جواب میں دوں، اس کے جواب کے لئے اس وقت دلی میں موجود سارے بزرگوں کا چکر لگایا لیکن ہر ایک نے سوال سن کر دوسرے پر ٹال دیا۔ بالآخر ایک بزرگ ملے جنہوں نے یہ کہا کہ دلی میں اس کا جواب تم کو نہیں مل پائے گا فلاں گاؤں میں جاؤ، وہاں ایک بھڑ بھونجا ملے گا جو بھاڑ جھونک رہا ہوگا۔ اور اس کا حلیہ و لباس دیکھنے کے قابل نہیں ہوگا، پراگندہ بال و پراگندہ حال ہوگا، وہی تمہارے سوال کا جواب دے سکتا ہے، لیکن یہ یاد رکھنا کہ جب تم وہاں پہونچو گے اور سوال کرو گے تو وہ بہت ڈانٹیں گے، خفا ہوں گے اور بھگائیں گے، لیکن

بھاگنا نہیں بلکہ جم جانا، اس لئے کہ تمہارا جواب وہیں سے مل سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء تلاش کرتے ہوئے اس بستی میں گئے اور بھڑ بھونجے کو پا گئے، جب قریب پہونچ کر ان کو سلام کیا اور سوال پیش کیا تو انہوں نے ڈانٹنا اور بھگانا شروع کر دیا، لیکن خواجہ صاحب کو دلی کے بزرگ کی نصیحت ووصیت یاد تھی۔ ع

کوئے جاناں میں جب جانا دل جاناں تو جم جانا

بہت ڈانٹ و پھٹکار کے بعد جب انہوں نے دیکھ لیا کہ یہ بھاگنے والا نہیں ہے تو جواب ملا کہ جاؤ کل آنا۔

چنانچہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء پُر امید ہوکر خوشی خوشی واپس آ گئے کہ میرے دیرینہ سوال کا جواب کل مل جائے گا، لیکن جب کل ہوکر آپ وہاں پہونچے تو نہ وہاں ان کی دکان تھی نہ وہ خود تھے بلکہ ان کی جگہ میں تالا پڑا ہوا تھا، پڑوس والوں سے جب معلوم کیا کہ ایک اللہ کے ولی بزرگ یہاں رہتے تھے وہ کہاں گئے؟ تو لوگوں نے کہا کہ ولی کہتے ہو یہاں کوئی ولی بزرگ نہیں تھا، بلکہ ایک بھڑ بھونجا تھا کل وہ مر گیا۔ حضرت خواجہ صاحب کو بہت افسوس ہوا کہ یہی ایک بزرگ تھے جو میرے خواب کی تعبیر بتانے کی اہلیت رکھتے تھے، یہ بھی دنیا سے چلے گئے، اب میرے سوال کا جواب کون دے گا، اس کے بعد خیال آیا کہ جب آ ہی گئے ہیں تو چلو ان کی قبر پر پہونچ کر فاتحہ پڑھ لیں۔

چنانچہ حضرت خواجہ صاحب نے لوگوں سے پوچھا کہ ان کا مزار کہاں ہے؟ جہاں وہ دفن کئے گئے ہیں، لوگوں نے جواب میں کہا مزار کی بات کرتے ہو کیا وہ کوئی بزرگ تھے، ارے وہ ایک بھڑ بھونجا تھا، زندگی بھر بھاڑ جھونکتا رہا، مر گیا لوگوں نے پہاڑ

کی کھائی میں لے جا کر پھینک دیا، حضرت خواجہ صاحب یہ جواب سن کر حیران ہو گئے اور فرمایا وہ جگہ ہی بتا دو جس کھائی میں لوگوں نے ان کو پھینکا ہے، یہ کہنے پر بڑی مشکل سے ایک صاحب تیار ہوئے اور انہوں نے جا کر کھائی بتائی جہاں وہ مردہ حالت میں پڑے ہوئے تھے۔

حضرت خواجہ صاحب ان کی یہ حالت دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے۔ فاتحہ خوانی اور ایصال ثواب کے بعد وہیں سوچنے لگے کہ یہی ایک بڑے میاں تھے جو میرے سوال کا جواب دیتے، یہ بھی چلے گئے۔ اب میرے سوال کا جواب کون دے گا۔

اتنے میں اس اللہ کے ولی کے بدن میں حرکت شروع ہوئی، آنکھ کھلی اور بولے میاں جاؤ، جاؤ، معشوق بننا عاشق مت بننا، ورنہ زندگی بھر بھاڑ جھونکوائیں گے اور جب مر جاؤ گے تو کھائی میں پھینکوا دیں گے اس کے بعد پھر آنکھ بند ہو گئی اور پرانی حالت پر لوٹ گئے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء یہ جواب سن کر واپس آئے پھر جب غیب سے آواز آئی کہ نظام الدین! عاشق بننا چاہتے ہو یا معشوق۔ آپ نے جواب میں فرما دیا معشوق بننا چاہتا ہوں۔

چنانچہ پوری زندگی معشوق بنے رہے اور مرنے کے بعد بھی اللہ نے لاکھوں انسانوں کے لئے معشوق کی حیثیت سے زندہ و جاوید بنا رکھا ہے۔

آج بھی ان کے مزار پر چلے جائیں تو ان کی معشوقیت کا رنگ نظر آتا ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا دوسرا واقعہ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا جب انتقال ہوگیا اور خلفاء مریدین متوسلین و متعلقین نے غسل دے کر کفن پہنا دیا اور قبرستان لے جانے کی تیاری تھی کہ اتنے میں آپ کے متوسلین میں سے ایک صاحب دل نے بہت ہی خاص جذب وکیف کے ساتھ یہ شعر پڑھا ؎

اے تماشہ گاہ عالم روئے تست

تو کجا بہر تماشہ می روی

یہ شعر پڑھنا تھا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے داہنے ہاتھ میں حرکت ہوئی اور کفن کے اندر ہاتھ اس طرح دراز ہوگیا جیسے مصافحہ کے لئے ہاتھ دراز کیا جاتا ہے، یہ منظر دیکھ کر سارے خلفاء و مریدین حیران رہ گئے اور فوراً شعر پڑھنے والے شخص کو آغوش میں لے کر خاموش کیا اور حاضرین نے فوراً جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھا لیا تا کہ آگے مزید کوئی عجیب وغریب بات پیش نہ آئے۔

سمندر میں چادر بچھا کر نماز پڑھنا

ہمارے اسلاف میں ایسے اللہ والے بھی تھے جو سمندر میں چادر بچھا کر نماز ادا

کرتے تھے ان کا تعلق اللہ سے اتنا مضبوط تھا کہ ہر چیز ان کے تابع کردی گئی تھی، کسی میں سرتابی کی گنجائش نہیں تھی جس کو جو حکم دیتے وہ وہی کرتا تھا۔

حضرت ابراہیم بن سعد العلوی ایک بزرگ گزرے ہیں، بغداد کے رہنے والے تھے لیکن بعد میں شام میں سکونت پذیر ہوگئے تھے، بڑے عابد وزاہد تھے، مسلسل روزہ رکھتے تھے، تین دن کے بعد کچھ تھوڑا سا کھاتے تھے، آپ مستجاب الدعوات بھی تھے۔ آپ جب چاہتے سمندر پر چادر بچھا دیتے اور اس پر نماز شروع کردیتے سیکڑوں نے آپ کو اس حال میں دیکھا۔ جب آپ نماز پڑھتے تو سمندر کی مچھلیاں خدمت میں چاروں طرف سے آجاتیں لیکن کبھی آپ نے کسی مچھلی کو پکڑا نہیں۔

ایک مرتبہ ایک صاحب آپ کے ساتھ سمندر میں تھے مچھلیوں کو دیکھ کر شکار کا خیال پیدا ہوا کہ کاش آج فلاں شکاری ہوتے، اتنا سوچنا تھا کہ ساری مچھلیاں بھاگ گئیں۔

خواجہ عثمان ہارونی کی سفارش سے عذاب کا ملتوی ہونا

اللہ والوں سے تعلق رائیگاں نہیں جاتا، یہ تعلق دنیا میں بھی کام آتا ہے اور مرنے کے بعد بھی۔ نادان ہیں وہ لوگ جو اللہ والوں کو اور ان کے تعلق کو بیکار سمجھتے ہیں۔

خواجہ عثمان ہارونی کبار اولیاء میں سے ہیں، خواجہ معین الدین چشتی کے پیر ومرشد ہیں، صاحب کشف وکرامت اولیاء میں آپ کا شمار ہے۔

ایک مرتبہ آپ اپنے ایک پیر بھائی کی تدفین میں شریک ہوئے، تدفین کے بعد سب لوگ روانہ ہو گئے لیکن آپ کچھ دیر قبر کے پاس ٹھہرے رہے اتنے میں قبر کا حال آپ پر منکشف ہوا، کسی جرم میں صاحب قبر کے پاس عذاب کے فرشتہ آئے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے ان کی آمد کو محسوس کر لیا، آپ نے فرمایا یہ مجھ سے تعلق رکھنے والوں میں سے ہے۔ حضرت کے یہ فرمانے کے بعد فرشتے واپس ہو گئے اور عذاب رفع ہو گیا۔ سبحانہ اللہ۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر

اھل معرفت کی عبادت پاس انفاس ہے

حضرات مشائخ کے یہاں ایک عمل ہے جس کا نام پاس انفاس ہے، اور یہ ایسا لطیف و نفیس عمل ہے جس کو کرنے کے بعد قلب کا تنقیہ، تصفیہ، تخلیہ، تجلیہ لازمی ہے۔ اور ذاکر کے ذکر کی ترتیب اسی وقت کامل ہوتی ہے جب زبان کے ساتھ قلب بھی ذاکر ہو جائے، اور یہ عمل تمام سلسلوں میں رائج ہے۔ البتہ حضرات نقشبندیہ کے یہاں زیادہ زور ذکر قلبی پر ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری فرمایا کرتے تھے ''اھل معرفت کی عبادت پاس انفاس ہے''۔

اسی طرح یہ بھی فرماتے تھے کہ معرفت حق کی علامت یہ ہے کہ خلق سے بھاگنے لگے۔ اسی طرح یہ بھی فرماتے تھے شقاوت کی علامت یہ ہے کہ آدمی معصیت

میں مبتلا ہو پھر بھی اپنے آپ کو مقبول سمجھے۔

وصول الی اللہ کے لئے اصول کی پابندی ضروری ہے

شیخ جلال الدین تھانیسری نے لکھا ہے کہ جاہل صوفیاء اصل راستہ سے بھٹک کر عوام کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں۔ چونکہ یہ جاہل صوفیاء وصول الی اللہ سے محروم ہوتے ہیں اور وصول سے محرومی کی بڑی وجہ ان کا اصول طریقت کو چھوڑ بیٹھنا ہے اور اصول طریقت میں سب سے بڑی اصل شریعت اور سنت کی پابندی ہے اس کے بغیر وصول ممکن ہی نہیں، اگر کوئی وصول کا دعوی کرتا ہے تو یہ سراسر ضلالت وگمراہی ہے۔

کبھی سیاہ جوتا نہ پہننا

حضرت حاجی صاحب کے خادم خاص حاجی عبد الرحیم صاحب کہا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب کو کسی صاحب نے کالے رنگ کا جوتا ہدیہ میں پیش کیا، آپ نے خود نہ پہن کر کسی دوسرے کو ہدیہ کر دیا۔

خادم نے عرض کیا کہ حضرت بہت شوق سے اس نے آپ کی خدمت میں جوتا پیش کیا تھا اگر کچھ دن آپ پہن کر کسی کو ہدیہ کرتے تو دینے والے کو خوشی ہوتی۔ اس کے جواب میں حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ جا باؤلے تجھے کیا معلوم کہ

جب سے میں نے خانہ کعبہ کا غلاف سیاہ دیکھا ہے اس کلر کا جوتا پہننے کی ہمت نہیں ہوتی کہ یہ رنگ اور میرا پاؤں یعنی یہ ادب کے خلاف ہے کہ اس کلر کو پاؤں میں ڈالا جائے، یہ بھی حضرت حاجی صاحب کے کمال ادب کی بات تھی کہ کالا رنگ آپ پاؤں میں اس لئے استعمال نہیں کرتے تھے کہ یہ رنگ غلاف کعبہ کا ہے۔

میری اولاد وہی ہے جو اللہ کی طالب ہے

ایک مرتبہ آپ نے اپنے کسی مریدن کو کوئی کپڑا تبرکاً مرحمت فرمایا۔ حاضرین میں سے ایک عورت نے دیکھ کر عرض کیا کہ حضرت فلاں عورت کو بھی آپ تبرک بھیجوادیں تو بہتر ہے، چونکہ وہ آپ کے خاندان کی ہے، آخر وہ بھی تو آپ کی اولاد میں ہے۔ آپ نے انتہائی ترش روئی کے ساتھ جواب میں فرمایا کیا اولاد اولاد لئے پھرتی ہو، میری کوئی اولاد نہیں، میری اولاد تو صرف وہی ہے جو اللہ کی طالب ہو، یہ جواب سن کر وہ عورت خاموش ہوگئی اور حضرت حاجی صاحب نے جو بات کہی وہ بات واقعی ہے جس کو اہل فہم ہی سمجھ سکتے ہیں اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ آل نبی کی تفصیل میں جہاں بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد اہل بیت اور آپ کی عترت اور خاندان ہے وہیں بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ آل کے زمرہ میں ہر وہ مومن داخل ہے جو تقی ونقی ہو اور اس کی تائید حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک سے ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا "کل مؤمن تقی نقی فھو آلی"

لہٰذا حضرت حاجی صاحب کا یہ فرمان ایک گہری حقیقت اور سچائی پر مبنی ہے جسے ہر شخص کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

عادت سے عبادت بنتی ہے

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص ریا اور دکھلاوے کے لئے کوئی عمل کر رہا ہو تو بھی اس کو کرتا رہے چھوڑے نہیں اس لئے کہ شروع شروع میں وہ ریا رہے گی اس کے بعد عادت بن جائے گی اور عادت سے پھر عبادت ہو جائے گی۔ اسی لئے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور طلباء سے یہ فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا جب عصر کے بعد سیر و تفریح کے لئے جایا کرو تو ہاتھ میں تسبیح لے کر نکلا کرو اور اس پر کچھ ذکر کرتے رہا کرو یہ نہ سوچو کہ لوگ ریا کار کہیں گے۔

اس لئے کہ اس طرح ذکر کی عادت بنے گی اور عادت کو عبادت بنانا آسان ہے، اسی لئے کہا گیا ہے۔ جبل گردد جبلت نہ گردد۔

کہ پہاڑ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتا ہے لیکن جبلت اور فطرت اور عادت کا چھوٹنا اور چھڑانا مشکل ہوتا ہے۔

البتہ اس میں امالہ کی گنجائش ہوتی ہے، ازالہ مشکل ہوتا ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں فطرتاً اور طبیعۃً غصہ تھا اسلام قبول کرنے کے بعد اس کا ازالہ نہیں ہوا بلکہ امالہ ہو گیا وہ اس طور پر کہ پہلے ان کو اسلام کے خلاف غصہ آتا تھا اور اسلام قبول

کرنے کے بعد کفر ونفاق کیخلاف غصہ آنے لگا۔

چنانچہ آپ کا حال یہ تھا کہ جب کسی منافق کی منافقانہ حرکت کو دیکھتے تو فرماتے ”**دعني یا رسول الله اضرب عنق هذا المنافق**“ کہ اے اللہ کے رسولؐ مجھے اجازت دے دیجئے میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما کر آپ کو روکتے ”**أمهل یا عمر**“ اے عمر ابھی ٹھہرو جلدی نہ کرو۔

اتفاق واتحاد کی بنیاد تواضع ہے

اتحاد و اتفاق ہر معاشرہ کا ایک اہم مسئلہ ہے اس پر بڑے بڑے جلسے ہوتے ہیں بڑی بڑی تقریریں ہوتی ہیں، لیکن حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے ایک جملہ نے اس مسئلہ کو حل فرما دیا جو دریا بکوزہ کا مصداق ہے۔

حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اتحاد و اتفاق کی بنیاد اور جڑ تواضع ہے جن لوگوں میں تواضع ہوگی ان میں باہم اتفاق رہے گا۔ سارا انتشار کبر کی وجہ سے ہوتا ہے، اگر اس کی جگہ پر تواضع پیدا ہو جائے تو اتحاد و اتفاق کو کوئی روک نہیں سکتا۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ یہی بات دوسرے انداز سے یوں فرماتے تھے کہ اتحاد و اتفاق کی جڑ یہ ہے کہ معاشرہ اور سماج میں جو بڑا ہو اس کو بڑا مان کر اس کے تابع اپنے کو بنا کر چلو اور اگر کوئی بڑا نہ ہو تو کسی چھوٹے ہی کو بڑا بنا لو اور اس کی مان کر چلو

سارا اختلاف ختم ہو جائے گا، انتشار اسی وقت ہوتا ہے جب بڑے کو چھوٹے بڑا نہیں مانتے بلکہ ہر ایک اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اور اعجاب نفس میں مبتلا ہو کر خود رائی و خود بینی کا شکار ہو بیٹھتا ہے اور کسی کی ماننے کو تیار نہیں ہوتا۔

اسی لیے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**إذا أعجب كل ذي رائ برائه فعليكم بخاصة نفسه**'' کہ جب ہر صاحب رائے کو اپنی ہی رائے پر گھمنڈ ہونے لگے اور دوسرے کی رائے کی تحقیر شروع کر دے تب حکم یہ ہے کہ اپنی راہ الگ کر لو اور اجتماعیت سے اپنے کو الگ کر کے اپنی فکر میں لگ جاؤ سب کی فکر چھوڑ دو اگر منزل ایک ہو راستے مختلف ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر راستوں کے اختلاف کے ساتھ منزل بھی مختلف ہو جائے تو یہ لمحہ فکر یہ ہے ذی رائے کو رائے قائم کرنے کا اختیار ہے اور رائے میں حسن و قبح دونوں احتمالات ہوتے ہیں، لیکن کسی صاحب رائے کا اپنی ہی رائے میں حسن کا انحصار اور دوسرے کی رائے میں قبح کا بلا دلیل انحصار اور اس کے بعد اعجاب نفس بھی یعنی یہ سمجھنا کہ میں جو رائے رکھتا ہوں وہی سو فیصد صحیح ہے اور اس میں غلطی کا کوئی احتمال نہیں اور دوسرے کی رائے سو فیصد غلط ہے اس میں درستگی کا کوئی احتمال نہیں، یہ غلط ہے۔

عالم ملکوت کے لطائف خمسہ

عالم ملکوت جس کا دوسرا نام عالم امر اور عالم غیب بھی ہے، اس کے پانچ لطائف

ہیں۔اوران کا مرکزعرش کے اوپر ہے اور یہ لطائف انسان کے نفس پر آئینہ کی طرح چمکتے ہیں اور نفس کے ذریعہ اس کے اثرات انسان کے جسم پر ظاہر ہوتے ہیں اور جب تک انسان کے لطائف منزہ اور صاف نہیں ہوجاتے اس وقت تک انسان کا قلب تجلی الٰہی اور قرب الٰہی کے قابل نہیں ہوتا۔

اللہ والا بننے کے لئے تین رکاوٹیں

جب انسان گناہوں سے تائب ہوکراللہ کی رضاء جوئی والی زندگی اختیار کرتا ہے تو اس کوعموماً تین طرح کی رکاوٹیں درپیش ہوتی ہیں جن رکاوٹوں کو دور کرنا اور اللہ کی رضاء جوئی میں آگے بڑھتے رہنا ایک مشکل ترین کام ہوتا ہے،لیکن جن کے ساتھ اللہ کا فضل شامل حال ہوجاتا ہے اور توفیق ایزدی کے ساتھ ہمت وقوت کے ساتھ چلتا رہتا ہے اللہ پاک کی مدد اس کے ساتھ ہوجاتی ہے اور جو ان روکاوٹوں کی نظر ہوجاتا ہے وہ منزل سے دور ہوجاتا ہے۔

(۱) پہلی رکاوٹ نفس ہے،جس کا کام برائیوں کی ترغیب دینا اور برائیوں کو مرغوب اروسہل انداز میں پیش کر کے اس کی طرف راغب کرنا ہے۔جس کو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بڑادشمن قرار دیا ہے۔

ارشاد ہے:''**اعدی عدوک الذی بین جنبیک**''۔

اورارشاد باری تعالیٰ ہے:''**ان النفس لأمارة بالسوء**''،نفس کے مکائد

کو سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اتنی خوش اسلوبی کے ساتھ وہ بہکا تا ہے کہ اچھے اچھے لوگ اس کے دام فریب میں آجاتے ہیں اور اس سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔

(۲) دوسری رکاوٹ شیطان ہے۔

یہ بھی مستقل جال بنتا رہتا ہے اور اپنا شکار بنانے کی فکر میں ہمہ وقت لگا رہتا ہے۔ اللہ کے قرب کے متلاشی لوگوں کے قریب تر ہو کر مختلف قسم کے شکوک وشبہات کا القاء کرتا رہتا ہے اور اللہ سے دور کرنے کی فکر میں ہمہ وقت مصروف رہتا ہے اور پورا زور لگاتا ہے کہ اللہ کو پانے والے راستہ سے بھٹک کر میرے بتلائے ہوئے راستہ پر آجائیں۔

اسی لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**ان الشیطان لکم عدو**" اور "**ان الشیطان لکم عدو مبین**"۔

(۳) تیسری رکاوٹ ماحول وگردوپیش معاشرہ بنتا ہے اور یہ جب جملہ سننا پڑتا ہے کہ "ستر چوہا کھا کر بلی چلی حج کرنے" اور اس طرح دل خراش جملوں کی جب بوچھار شروع ہوتی ہے، بعض لوگ ہمت چھوڑ کر رجعت قہقری کر لیتے ہیں اور جہاں سے چلے تھے پھر وہیں پہونچ جاتے ہیں اور بعض لوگ ان طعنوں اور بھبھکیوں کو برداشت کرتے ہوئے اور زبان کے تیر ونشتر کو جھیلتے ہوئے آگے بڑھتے رہتے ہیں، ایسے لوگ شیخ کے دامن کی وابستگی کے ساتھ منزل پر پہونچ جاتے ہیں۔

اس لئے ہر سالک کو چاہئے کہ ان موانع ورکاوٹوں پر نظر رکھے اور اس میں الجھنے کے بجائے اپنے دامن کو بچاتے ہوئے آگے بڑھتا رہے اور منزل پر نگاہ رکھے۔

انشاء اللہ ایک دن وہ آئے گا کہ واصل بحق ہو جائے گا اور اللہ کا قرب اس کو حاصل ہو جائے گا۔

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی وضاحت

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود بھی تصوف اور صوفیاء کی ایک اہم اصطلاح ہے، جو قدیم زمانہ سے رائج ہے اور ایک طویل عرصہ تک اس کے قائلین پائے گئے اور بعض کبارِ مشائخ کو سخت ابتلاء سے بھی اس کی وجہ سے گزرنا پڑا، اس زمانہ میں یہ اصطلاح اگرچہ بہت رائج نہیں ہے اور اس کے قائلین کی تعداد بھی بہت کم ہے، لیکن تصوف کی کتابوں میں یہ اصطلاحات آج بھی موجود ہیں، اس لیے سالکین کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان اصطلاحات سے واقف ہوں۔

سلوک و معرفت کی راہ میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے، جہاں پہنچ کر اس عالم کی ہر موجود چیز ایک دوسرے سے مربوط معلوم ہونے لگتی ہے، جب سالک کی یہ حالت اس پر غالب ہو جاتی ہے تو اس کی نظروں سے اشیاء کی کثرت غائب ہو جاتی ہے، حتی کہ خود اس کا وجود بھی اس کو محفوظ نہیں ہوتا، ایک ذاتِ حق کے علاوہ دوسری تمام چیزیں، حتی کہ اس کا اپنا وجود بھی اس کی نظر میں کالعدم ہو جاتا ہے، اسی کیفیت کا نام وحدۃ الوجود ہے۔

لیکن اس سلسلے میں حضرت مجدد الفِ ثانی کی رائے یہ ہے کہ اشیاء کی کثرت

معدوم نہیں ہوتیں؛ البتہ سالک کو غلبۂ توحید کی وجہ سے ایک طرح کا ذہول ہوجاتا ہے، کیونکہ اس کی توجہ ہمہ وقت ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف مرکوز ہوجاتی ہے، جیسے آسمان پر ستارے کہ آفتاب طلوع ہوتے ہی نظر سے غائب ہوجاتے ہیں، حالانکہ اپنی جگہ پر وہ موجود ہوتے ہیں اور اسی کو وحدۃ الشہود بھی کہا جاتا ہے، یعنی سوائے ذات باری تعالیٰ کے سالک کو اور کسی چیز کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔

لیکن یہ ایک کیفیت باطنیہ و ادراکیہ ہے جس کو وہی سمجھ سکتا ہے جو ان کیفیات سے گزرتا ہے اور یہ کیفیت اکتسابی بھی نہیں ہے؛ بلکہ وہبی اور عطائی ہے، جب کسی خوش بخت کے دل سے اپنے آفتابِ وحدت کو طلوع کرتے ہیں تو اس کے لیے ساری کثرت ایک وحدت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

لیکن یہ ذہنوں میں رہنا چاہئے کہ یہ سلوک کا بہت ہی اعلیٰ وارفع مقام ہے، جو ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتا اور یہ مقام جتنا اعلیٰ وارفع ہے اتنا ہی نازک اور اہم اور خطرات کا حامل بھی ہے۔

چنانچہ اسی وجہ سے حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ یہ مسئلہ حق اور صحیح اور واقع کے مطابق ہے، اس لیے کہ یہ مسئلہ تمام مشائخ کا متفق علیہ ہے، لیکن اس کے اظہار میں شدید فتنہ ہے اور اصطلاحات تصوف سے عاری لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہے، اس لیے اس کے اظہار سے حتی الامکان گریز کرنا چاہئے، تاکہ عوامِ امت فتنہ کی شکار نہ ہو۔

عینیت اور غیریت کی وضاحت

جس طرح وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود تصوف کی ایک دقیق اصطلاح ہے جس کے مفہوم کو بہت وضاحت کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے۔

اسی طرح عینیت اور غیریت، یہ بھی تصوف اور صوفیاء کی اہم اصطلاح ہے۔

عین کے معنی ہیں دو چیزوں کا ایک ہونا، بعض حضرات صوفیاء خالق ومخلوق میں عینیت کے قائل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو واجب الوجود ہے، اس کے سوا کسی کا وجود نہیں اور جو کچھ عالم میں دکھائی دیتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ ہی کا وجود ہے، مخلوق چونکہ خالق کی صفتِ خلق کا مظہر ہے اور ضابطہ ہے کہ صفت موصوف سے جدا نہیں ہوسکتی، اس لیے مخلوق بھی خالق سے جدا نہیں۔

اسی لیے بعض حضرات صوفیاء یہ فرماتے ہیں کہ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کا ظاہر ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا باطن ہے، یہ کائنات ظہور سے پہلے عین حق تعالیٰ تھی اور حق تعالیٰ بعد از ظہور عین کائنات ہیں، یعنی حقیقت میں ہستی ایک ہے اور ظاہر و باطن اور اول وآخر ہونا محض اعتباری واضافی ہے۔

بعض بزرگوں کا اس مفہوم میں یہ شعر بہت مشہور ہوا ؎

ہمسایہ و ہم نشیں وہمراہ ہمہ اوست
در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمہ اس سلسلہ میں فرماتے تھے

کہ عبد اور رب میں عینیت و غیریت دونوں متحقق ہیں، لیکن یہ صرف اعتباری ہے حقیقی نہیں، جیسے کوئی شخص اپنے گرد و پیش کئی آئینے رکھ لے تو ہر آئینہ میں اس کی ذات اور اس کی صفات بعینہٖ ظاہر ہوں گی، جیسے خوشی اور غمی، ہنسنا اور رونا وغیرہ، لہٰذا اس اعتبار سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ عکس جو آئینے میں نظر آ رہا ہے یہ اس شخص کا عین ہے، غیر نہیں، لیکن یہ عینیت صرف اعتباری ہے، لغوی نہیں، اس لیے کہ جو کیفیت آئینہ پر طاری ہو اس کا اس شخص پر طاری ہونا ضروری نہیں، مثلاً اگر کوئی شخص آئینہ پر پتھر مارے تو اس کی وجہ سے اس کی ضرب اس شخص کو محسوس نہیں ہوتی ہے، اسی طرح اگر آئینہ پر کوئی شخص نجاست ڈال دے تو اس کی وجہ سے وہ شخص پلید نہیں ہوتا ہے، پس جس طرح اس مثال میں آئینہ کے سامنے بیٹھے ہوئے شخص اور عکس میں عینیت اور غیریت دونوں ہے، اسی طرح عبد اور رب میں بھی عینیت اور غیریت دونوں پائی جاتی ہیں۔

ہمہ اوست کی وضاحت

ہمہ اوست کے معنی ہیں: سب کچھ وہی ہے۔ بعض اہل حق صوفیاء جب غلبۂ عشق میں اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو ان کی نظروں میں حق تعالیٰ کی پاک ذات کے سوا سب کچھ پوشیدہ و مخفی ہو جاتا ہے اور ہر جگہ ذاتِ حق کا ہی ظہور نظر آتا ہے تو ان کی زبان پر ہمہ اوست کا جملہ آ جاتا ہے اور ایسے حضرات اپنے اس قول میں صادق ہوتے ہیں، کاذب نہیں ہوتے۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے حضرات صوفیاء کے اس جملہ کے بارے میں یہ فرمایا کہ میں نے اس جملہ کا جو مطلب سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ اس دنیا میں موجود تمام جزئیات اور واقعات اور اشیاء کی کثرت، یہ سب کچھ ایک ہی ذاتِ حق کا ظہور ہیں۔

جس طرح زید کی صورت بہت سے آئینوں میں منعکس ہو جائے تو اگر ان ساری صورتوں کے بارے میں ''ہمہ اوست'' کہہ دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ تمام صورتیں جو مختلف آئینوں میں نظر آ رہی ہیں، وہ سب ایک ہی ذات یعنی زید کا ظہور ہیں، اس سے نہ جزئیت ثابت ہوتی ہے نہ اتحاد اور نہ ہی حلول ثابت ہوتا ہے اور نہ تلون، اس لیے کہ زید کی ذات ان تمام آئینوں میں دکھنے کے باوجود ایک ہی حالت پر ہے، اس کی وجہ سے اس میں نہ کوئی کمی آئی ہے نہ زیادتی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرات صوفیاء اشیاء کو اللہ تعالیٰ کا مظہر مانتے ہیں اور اس کے اسماء وصفات کا جلوہ گاہ قرار دیتے ہیں، جیسے حضرت منصور نے جب غلبۂ حق میں ''أنا الحق'' فرمایا تو اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ میں حق ہوں اور حق کے ساتھ متحد ہوں بلکہ ان کے یہ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں نہیں ہوں، حق تعالیٰ سبحانہ موجود ہے۔

گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ حضرات صوفیاء کے اس کلام کہ ''ہمہ اوست'' کا مطلب یہ ہے کہ ہمہ از اوست۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ ''ہمہ اوست'' کا مطلب بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سب کچھ خدا ہے، حالانکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بس خدا ہے اور کچھ نہیں۔

ظاہر سی بات ہے کہ ان دونوں مطالب میں آسمان وزمین کا فرق ہے، لیکن اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس میں اس کو سمجھنے کی صلاحیت موجود ہو، اس لیے ہر کس و نا کس کو اس سلسلے میں گفتگو کرنے سے بھی پرہیز کرنا چاہئے، بالخصوص عوام میں تو ان مسائل پر قطعاً بات نہیں کرنی چاہئے۔

ایک شکل کا کئی جگہوں پر دکھائی دینا

حضرات صوفیاء کے یہاں ایک بات جو کتابوں میں بھی موجود ہے اور لوگوں کے تجربات سے بھی ثابت ہے کہ اولیاء اللہ کبھی کبھی ایک ہی شکل میں کئی مقامات پر دیکھے جاتے ہیں، چنانچہ ایک بزرگ سید علی ہمدانی کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ انھوں نے ایک ہی وقت میں کئی لوگوں کی دعوت قبول کی اور ہر جگہ کھانے پر وہ حاضر رہے، اسی طرح حضرت شیخ محی الدین ابن العربی کے بارے میں کتابوں میں موجود ہے کہ وہ ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں پندرہ مقامات پر نظر آئے۔

اس مسئلہ کے سلسلے میں حضرت خواجہ گیسو دراز جو کبارِ اولیاء میں سے ہیں، انھوں نے یہ فرمایا: ایک شخص حقیقتاً ایک وقت میں ایک ہی جگہ موجود ہوتا ہے، باقی مقامات پر جو وہ دکھائی دیتا ہے، وہ اس کی صورت مثالیہ ہوتی ہے، نیز بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی ولی کا ہم شکل ظاہر کر دیتا ہے، جس کی خبر اس ولی کو بھی نہیں ہوتی ہے۔

جیسے شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے ایک مرید کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک جگہ کے بادشاہ نے شیخ کی خدمت کے لیے ایک باندی مرید کے سپرد کردیا، تاکہ وہ شیخ تک پہنچادے، دوران سفر مرید کی نیت خراب ہوگئی اور اس نے غلط ارادہ سے باندی کی طرف ہاتھ بڑھایا، اسی دوران اچانک شیخ نمودار ہوئے اور مرید کو ایک طمانچہ رسید کیا، جس سے وہ اپنی حرکت سے باز آ گیا۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے بھی اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے اسی انداز کی بات لکھی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ اولیا کی صورت مثالیہ ہوتی ہے، حقیقت میں وہ وہی ولی نہیں ہوتے، حضرت شیخ غلام علی شاہ، جو دہلی کے اونچے بزرگوں میں سے تھے، ایک صاحب ان سے بیعت ہونے کے لیے اپنے وطن سے نکلے، رات کی تاریکی میں وہ راستہ بھٹک گئے، اسی درمیان انھوں نے دیکھا کہ کوئی صاحب ان کو راستہ بتلا رہے ہیں، چنانچہ جب وہ صحیح راہ پر گامزن ہوگئے تو انھوں نے ان سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ انھوں نے اس کے جواب میں فرمایا: میں وہی ہوں جن سے بیعت ہونے کے لیے تم جارہے ہو۔ جب یہ واقعہ انھوں نے پہنچ کر حضرت غلام علی شاہ سے بتایا تو وہ کہنے لگے کہ میں تو پوری رات یہیں تھا، کہیں گیا بھی نہیں، اس طرح کے بے شمار واقعات کتابوں میں موجود ہیں، یہ دراصل اللہ کی طرف سے مدد ہوتی ہے، اللہ جل شانہ اس شخص کے پسندیدہ اور محبوب افراد میں سے کسی فرد کو مدد کے لیے بھیج دیتے ہیں، تاکہ اجنبی شکل کو دیکھ کر اس کو وحشت نہ ہو اور اس کی ضرورت بھی پوری ہوجائے۔

شجرہ سلسلہ حبیبیہ چشتیہ

(۱) اجازنی الشیخ مفتی محمود حسن گنگوھی، (۲) عن الشیخ مولانا محمد زکریا کاندھلوی، (۳) عن الشیخ مولانا خلیل احمدؒ سھارنپوری، (۴) عن الشیخ مولانا رشید احمد گنگوھیؒ، (۵) عن الشیخ حاجی امداد اللہؒ مھاجر مکی.

(۱) اجازنی الشیخ مولانا عبد الحلیمؒ جونپوری، (۲) عن الشیخ مولانا محمد زکریاؒ کاندھلوی، (۳) عن الشیخ مولانا خلیل احمدؒ سھارنپوری، (۴) عن الشیخ مولانا رشید احمد گنگوھی، (۵) عن الشیخ حاجی امداد اللہ مھاجر مکیؒ.

(۱) اجازنی الشیخ مولانا عبد الحلیم جونپوری، (۲) عن الشیخ مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی، (۳) عن الشیخ مولانا اشرف علی تھانوی، (۴) عن الشیخ حاجی امداد اللہ مھاجر مکی، (۵) عن الشیخ میاں جی نورمحمد جھنجھانوی، (۶) عن الشیخ حاجی عبد الرحیم، (۷)ؒ عن الشیخ شاہ عبد الباریؒ، (۸) عن الشیخ شاہ عبد الھادیؒ، (۹) عن الشیخ عضد الدینؒ، (۱۰) عن الشیخ شاہ محمد مکی، (۱۱) عن الشیخ شاہ محمدیؒ اکبر آبادی، (۱۲) عن الشیخ محب اللہ الہ آبادیؒ، (۱۳) عن الشیخ ابو سعیدؒ گنگوھی، (۱۴) عن الشیخ

نظام الدین بلخی ؒ، (۱۵) عن الشیخ جلال الدین ؒ تھانیسری، (۱۶) عن الشیخ عبد القدوس گنگوھی ؒ، (۱۷) عن الشیخ محمد بن شیخ عارف، (۱۸) عن الشیخ محمد عارف بن احمد ؒ، (۱۹) عن الشیخ عبد الحق رودولوی ؒ، (۲۰) عن الشیخ جلال الدین پانی پتی ؒ، (۲۱) عن الشیخ شمس الدین ترک پانی پتی ؒ، (۲۲) عن الشیخ علاؤ الدین صابر کلیری ؒ، (۲۳) عن الشیخ بابا فرید الدین شکر گنجی، (۲۴) عن الشیخ قطب الدین بختیار کاکی، (۲۵) عن الشیخ معین الدین چشتی اجمیری، (۲۶) عن الشیخ خواجہ عثمان ھارونی، (۲۷) عن الشیخ خواجہ حاجی شریف زندانی، (۲۸) عن الشیخ خواجہ مودود اشرف چشتی، (۲۹) عن الشیخ خواجہ ابو یوسف چشتی، (۳۰) عن الشیخ خواجہ ابو محمد بن ابی احمد، (۳۱) عن الشیخ خواجہ ابو احمد ابدالی چشتی، (۳۲) عن الشیخ خواجہ ابواسحق شامی، (۳۳) عن الشیخ خواجہ ممتاز دینوری، (۳۴) عن الشیخ خواجہ ابو ھبیرہ بصری، (۳۵) عن الشیخ ابوحذیفہ مرعشی، (۳۶) عن الشیخ خواجہ ابراھیم بن ادھم بلخی، (۳۷) عن الشیخ فضیل بن عیاض، (۳۸) عن الشیخ عبد الواحد، (۳۹) عن الشیخ امام حسن بصری (۴۰) عن الشیخ امیر المومنین حضرت علی ؓ (۴۱) عن امام الانبیاء فخر الاتقیاء خاتم الانبیاء محمد ﷺ.

شجرہ حبیبیہ مناجاتیہ

یا الٰہی کن مناجاتم بفضل خود قبول
از طفیل اولیائے خاندان صابری
شاد فرما روح شاں از رحمت و رضوان خود
در جوارت دار ایشاں را بقرب دائمی
آباد کن اے خدا قلب مرا از یاد خود
از طفیل مفتیٔ دین حبیبِ قاسمی
ذکر قلبی کن عطا اے قادر مطلق مرا
بہر مولانا زکریا صاحب سر نبی
بہر مولانا خلیل احمد، ملا ذی فی غدی
ہم رشید احمد رشید با صفاء و سیدی
بہرِ امداد و بنورو حضرتِ عبد الرحیم
عبد باری، عبد ہادی، عضد دیں مکی ولی
ہم محمدی، ومحبّ اللہ، شاہ بو سعید
ہم نظام الدین، جلال، وعبد قدوس احمدی
ہم محمد عارف، و ہم عبد حق، شیخ جلال
شمس دیں ترک، وعلاؤ الدین فرید جودھنی

قطب دیں، وہم معین الدین، وعثمان وشریف

ہم بمودود ابو یوسف، محمد احمدی

بو سحاق، و ہم بمشاد و ہبیرہ نامور

ہم حذیفہ، و ابن ادہم، ہم فضیل مرشدی

عبد واحد ہم حسن بصری، علی فخر دیں

سید الکونین فخر العالمیں بشری نبی

پاک کن قلب مرا تو از خیال غیر خویش

بہرِ ذات خود شفایم دہ ز امراض دلی

احسان وتصوف

کرتا ہے مسلماں کومسلمان تصوف

انساں کو بنا دیتا ہے انسان تصوف

بھر دیتا ہے اذعان و یقیں قلب میں اتنا

کردیتاہے ایمان کو ایمان تصوف

عابد کودکھا دیتاہے معبود کا جلوہ

انوارِ محبت کی ہے پہچان تصوف

عشاق کی دیرینہ تمناؤں کاحاصل

محبوب پہ مر مٹنے کاارمان تصوف

امراض سے ہوتی ہیں پریشان جو روحیں
ہے ان کی شفا کے لئے سامان تصوف
رتبہ میں فرشتوں سے بھی بڑہ جاتا ہے انساں
انساں کو عطا کرتا ہے یہ شان تصوف
باطن کو جھکا دیتا ہے اللہ کے آگے
در اصل عبادات کی ہے جان تصوف
دل کو یہ بنا دیتا ہے کعبہ سے بھی بڑھ کر
بندوں پہ ہے اللہ کا احسان تصوف
کر دیتا ہے مفہوم احادیث کو روشن
مومن کو سکھا دیتا ہے قرآن تصوف
کر دیتا ہے سالک کو مشرف بحضوری
واصل بخدا کرتا ہے ہر آن تصوف
جو اپنے مخالف کی دلیلوں سے نہ ٹوٹے
وہ معرفتِ حق کا ہے برہان تصوف
دانا کو ہے معلوم تصوف کی حقیقت
جانے گا بھلا کیا کوئی نادان تصوف
پوچھا تھا جسے سید کونینؐ سے آکر
جبریل نے بس ہے وہی احسان تصوف

بندوں کو بنا دیتا ہے اللہ کا تابع
کردیتا ہے اسلام کو آسان تصوف
مومن کو عطا کرتا ہے ایمان کی حلاوت
سالک پہ ہے اللہ کا رضوان تصوف
اظہار تعلق کو ہوس جانئے اے شیخ
واللہ محبت کا ہے کتمان تصوف

مناجات حضرت ابوبکر صدیقؓ

خُذْ بِلُطْفِکَ یَا اِلٰھِیْ مَنْ لَہٗ زَادٌ قَلِیْلٌ
مُفْلِسٌ بِالصِّدْقِ یَاْتِیْ عِنْدَ بَابِکَ یَا جَلِیْلُ
اِنَّہٗ شَخْصٌ غَرِیْبٌ مُذْنِبٌ عَبْدٌ ذَلِیْلُ
مِنْکَ اِحْسَانٌ وَ فَضْلٌ بَعْدَ اِعْطَاءِ جَزِیْلُ
فَاْعُفْ عَنِّیْ کُلَّ ذَنْبٍ وَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِیْلْ
سُوْءُ اَعْمَالِیْ کَثِیْرٌ زَادُ طَاعَاتِیْ قَلِیْلْ
اِنَّ لِیْ قَلْبًا سَقِیْمًا اَنْتَ شَافِیْ لِلْعَلِیْلْ
اَنْتَ حَسْبِیْ اَنْتَ رَبِّیْ اَنْتَ لِیْ نِعْمَ الْوَکِیْلْ
اَعْطِنِیْ مَا فِیْ ضَمِیْرِیْ دُلَّنِیْ خَیْرَ الدَّلِیْلْ
قُلْتَ قُلْنَا نَارُ کُوْنِیْ اَنْتَ فِیْ حَقِّ الْخَلِیْلْ

رَبَّنَــا اِذْ اَنْــتَ قَــاضِــیْ وَالْمُنَــادِیْ جِبْــرَئِیْلْ
اَنْتَ یَا صِدِّیْقُ عَاصِیْ تُبْ اِلَی الْمَوْلَی الْجَلِیْلْ

مناجات امداد

الٰہی صدقۂ پیرانِ عظام
دمِ آخر ہو میرا نیک انجام
طفیل آل و اصحابِ سر افراز
ہو تیرا فضل ہر دم میرا دم ساز
وہ قوت بخش دے اے رب عالم
کہ اپنے نفس پر قابو ہو ہر دم
بوقتِ نزع ہو کلمہ زباں پر
اُٹھوں نیکوں میں شامل روزِ محشر
غرض دونوں جہاں میں کر تو امدادؔ
بحقِ ہر ہمہ عباد و زھاد

مناجات یا ربنا

ربنا یا ربنا یا ربنا کرلے تو مقبول میری یہ دعا

میرے ظاہر کو الٰہی ٹھیک کر اور ہوظاہر سے باطن خوب تر
اچھی چیزیں جتنی اے رب العلا تو کیا کرتا ہے لوگوں کو عطا
قسم سے ہو اہل کے یا مال کے جنس سے احوال یا اعمال کے
یا وہ ہو از قسم اولاد و عیال جو مضل ہوں یا الٰہی اور نہ ضال
مانگتا ہوں تجھ سے میں ہر قسم کی اچھی چیزیں اے خداوند غنی
اہل اچھے ہوں مرے اچھا ہو مال اور اچھے ہوں مرے اعمال وحال
اور اچھی ہو مری اولاد بھی آنکھیں ٹھنڈی جس سے ہوں اور خوش ہو جی
ہوں نہ گمراہی میں میں خود مبتلا اور نہ دوں گمراہ اوروں کو بنا

اور تو ہی مغفرت کا اہل ہے
سب کی بخشائش تجھی پر سہل ہے

درود تنجینا

حالات کے تلاطم کا رخ موڑنے والا درود شریف

شیخ صالح موسیٰ الضریر کی کشتی تلاطم میں پھنس گئی بہت پریشان ہوئے تو خواب میں سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ نے درج ذیل درود پاک کے کلمات کی تلقین فرمائی خواب سے بیدار ہوتے ہی اس درود کو پڑھنا شروع کیا، ابھی تین سو بار ہی پڑھا تھا کہ کشتی بھنور سے نکل گئی اور طوفان سے نجات مل گئی۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلوٰةً تُنَجِّيْنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ الْاَهْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِىْ لَنَا بِهَا جَمِيْعَ الْحَاجَاتِ وَ تُطَهِّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ السَّيِّئاٰتِ وَ تَرْفَعُنَا بِهَا عِنْدَكَ اَعْلَى الدَّرَجَاتِ وَ تُبَلِّغُنَا بِهَا اَقْصَى الْغَايَاتِ مِنْ جَمِيْعِ الْخَيْرَاتِ فِي الْحَيوٰةِ وَ بَعْدَ الْمَمَاتِ.

اے اللہ رحمتیں نازل فرمائیے ہمارے آقا محمد ﷺ پر اور آپ ﷺ کی اولاد پر ایسی رحمتیں جو ہم کو نجات بخش دیں تمام خوفناک حالات اور آفتوں سے اور ہمارے لئے اس درود کی برکت سے تمام حاجتیں پوری فرمائیے اور ہم کو اس درود کی برکتوں سے جملہ گناہوں سے پاک کردیجئے اور ہم کو اس درود کی برکت سے اعلیٰ درجوں پر فائز کیجئے اور ہم کو اس درود کی برکت سے مقامات کی انتہا پر پہنچایئے، ہر قسم کی بھلائیوں سے دنیا کی زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی۔

درود دافع مصائب

جو شخص مصائب کا شکار ہو اور پریشانیوں میں گھرا ہوا ہو درود پاک کے درج ذیل کلمات کو بعد نماز تہجد قبلہ رخ بیٹھ کر ایک ہزار مرتبہ پڑھے۔ انشاءاللہ بہت جلد مصائب سے خلاصی ہو جائے گی۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ حَتّٰى لَا يَبْقٰى مِنْ صَلَوٰتِكَ شَئٌ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ حَتّٰى لَا يَبْقٰى مِنْ بَرَكَاتِكَ شَئٌ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ

حَتّٰی لَا یَبْقٰی مِنْ سَلَامِکَ شَیْءٌ۔

اے اللہ ہمارے آقا محمد ﷺ پر اتنی رحمتیں نازل فرمادیجئے کہ آپ کی رحمتوں کا کوئی حصہ ایسا نہ رہ جائے جو نازل نہ ہو اور اے اللہ اتنی سلامتیاں نازل فرمادیجئے کہ سلامتی کا کوئی حصہ نہ رہ جائے جو آپ ﷺ پر نازل نہ ہو۔

درود زیارت نبی ﷺ

جو شخص پاک بستر پر داہنا ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر سوئے اور سونے سے قبل درج ذیل درود پاک کم از کم اکیس ۲۱ مرتبہ پڑھے وہ حضرت رسول پاک ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوگا، لہٰذا سوتے وقت اس کا اہتمام کریں:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ بِعَدَدِ مَنْ حَمِدَکَ وَ لَکَ الْحَمْدُ بِعَدَدِ مَنْ لَّمْ یَحْمَدْکَ وَ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا تُحِبُّ اَنْ تُحْمَدَ اِللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ صَلّٰی عَلَیْهِ وَ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ لَّمْ یُصَلِّ عَلَیْهِ وَ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ اَنْ یُصَلّٰی عَلَیْهِ۔

اے اللہ آپ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں ان لوگوں کی تعداد کے مطابق جنھوں نے آپ کی تعریف کی ہے اور آپ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں ان لوگوں کی تعداد کے مطابق جنھوں نے آپ کی حمد نہیں کی اور آپ ہی کے لئے تمام وہ تعریفیں ہیں

جن کو آپ نے اپنے لئے پسند فرما لیا ہے۔ اے اللہ رحمتیں نازل کیجئے ہمارے آقا محمد ﷺ پر ان لوگوں کی تعداد کے مطابق جنھوں نے آپ ﷺ پر درود نہیں پڑھا اور رحمتیں نازل کیجئے ہمارے آقا محمد ﷺ پر جیسا کہ آپ پسند کرتے ہیں کہ ہمارے آقا پر رحمتیں نازل ہوتی رہیں۔

درود مُکَمِّلِ حاجات وزیارت

درج ذیل درود پاک کا کسی مقصد خیر کے لئے بوقت صبح چالیس روز تک پڑھنا مقصد براری کے لئے مفید ہے اور بارہ ہزار پڑھنے پر سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوگا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی رُوْحِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَرْوَاحِ وَصَلِّ عَلٰی جَسَدِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَجْسَادِ وَ صَلِّ عَلٰی قَبْرِ مُحَمَّدٍ فِی الْقُبُوْرِ اَللّٰھُمَّ اَبْلِغْ رُوْحَ مُحَمَّدٍ مِنِّیْ تَحِیَّۃً وَ سَلَامًا۔

اے اللہ ہمارے آقا محمد ﷺ کی روح پاک پر عالم ارواح میں رحمتیں نازل کیجئے اور رحمتیں نازل کیجئے ہمارے آقا محمد ﷺ کے جسد اطہر پر عالم اجساد میں۔ اے اللہ رحمتیں نازل کیجئے ہمارے آقا محمد ﷺ کی قبر پر عالم قبور میں۔ اے اللہ میری جانب سے درود وسلام ہمارے آقا ﷺ کی روح پاک کو پہنچا دیجئے۔

درود معین خاتمہ بالخیر

درج ذیل درود پاک کو بعد نماز مغرب دس مرتبہ متصلاً پڑھنے والے کا خاتمہ ایمان پر ہوگا، لہٰذا بعد مغرب بغیر کسی سے بات کئے اس درود پاک کا اہتمام کریں۔

صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَ مَلَائِکَتِہٖ وَ اَنْبِیَآئِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَجَمِیْعِ خَلْقِہٖ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ عَلَیْہِ وَ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ۔

حق تعالیٰ کی تمام رحمتیں اور حضرات ملائکہ کے درود و حضرات انبیاء و مرسلین کے درود و سلام اور اسی طرح تمام مخلوقات کے درود و سلام ہمارے آقا محمد ﷺ پر نازل ہوں اور آپ ﷺ کی اولادوں پر اے اللہ ہمارے آقا ﷺ پر اور آپ ﷺ کی اولادوں پر سلام اور برکتیں نازل ہوں۔

ایک جامع دعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا سَئَلَکَ مِنْہُ نَبِیُّکَ وَ حَبِیْبُکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَکَ مِنْہُ نَبِیُّکَ وَ حَبِیْبُکَ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم.

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں وہ سب اچھی اچھی باتیں جو تیرے نبی اور حبیب محمد ﷺ نے تجھ سے مانگی ہیں اور ان تمام بری بری باتوں کے شر سے پناہ

لیتا ہوں جن سے تیرے نبی اور حبیب محمد ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔

تعارف سلاسل اربعہ

(۱) چشتیہ (۲) قادریہ (۳) نقشبندیہ (۴) سہروردیہ

سلاسل اربعہ جب بولا جاتا ہے تو یہی چاروں سلسلے مراد ہوتے ہیں۔

(۱) چشتیہ کی نسبت حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی طرف ہے۔

(۲) قادریہ کی نسبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی طرف ہے۔

(۳) نقشبندیہ کی نسبت حضرت خواجہ بہاءالدین نقشبندی کی طرف ہے۔

(۴) سہروردیہ کی نسبت حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی کی طرف ہے۔

عموماً لوگ ان حضرات کے اسماء مبارکہ واحوال سے ناواقف ہیں جس کی وجہ سے اکثر سوالات ہوتے رہتے ہیں، اس لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ حبیب السالکین کے اخیر میں سلاسل اربعہ کے مشائخ واکابر کا اجمالی تعارف پیش کر دیا جائے تا کہ سالکین کے ساتھ عوام کو بھی یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کون سے اکابر ہیں اور کن کی طرف نسبت ہے۔

(۱) خواجہ معین الدین چشتی کے مرشد و شیخ خواجہ عثمان ہارونی ہیں اور خواجہ معین الدین چشتی کے خلفاء میں مشہور خلیفہ قطب الدین بختیار کاکی ہیں۔

(۲) خواجہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے شیخ و مرشد شیخ ابوسعید المخر می ہیں، خواجہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے خلفاء میں مشہور خلیفہ شمس الدین حداد ہیں۔

(۳) خواجہ بہاء الدین نقشبندی کے شیخ و مرشد خواجہ امیر کلال ہیں اور خواجہ بہاء الدین نقشبندی کے خلفاء میں مشہور خلیفہ خواجہ علاء الدین عطار ہیں۔

(۴) خواجہ شہاب الدین سہروردی کے شیخ و مرشد خواجہ ضیاء الدین سہروردی ہیں اور خواجہ شہاب الدین سہروردی کے خلفاء میں مشہور خلیفہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی ہیں۔

نوٹ: کبار مشائخ جو عموماً خواص وعوام کی زباں پر نامزد ہیں، جیسے جنید بغدادیؒ سری سقطیؒ، معروف کرخیؒ، داؤد طائیؒ، حبیب عجمیؒ، ابوالقاسم قشیریؒ، ابوبکر شبلیؒ، ممشاد دینوریؒ، یہ وہ حضرات مشائخ ہیں جو سلاسل ثلاثہ یعنی قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ میں مذکور ہیں، باقی درج ذیل مشائخ نظام الدین بلخی، جلال الدین تھانیسری شیخ عبدالقدوس گنگوہی، شیخ علاء الدین صابر کلیری، شیخ فرید الدین گنج شکر، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ ابراہیم بن ادہم بلخی، فضیل بن عیاض، یہ وہ مشائخ ہیں جو سلسلہ چشتیہ میں مذکور ہیں۔

اسی طرح خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی، خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی بھی سلسلۂ چشتیہ کے کبار مشائخ میں سے ہیں، اور شیخ احمد مجد الف ثانی، خواجہ باقی باللہ سلسلۂ نقشبندیہ کے سلک مسلسل سے مربوط ہیں۔

تذکرہ خواجہ معین الدین چشتیؒ

آپ ۶۳۷ھ میں قصبہ سنجر میں پیدا ہوئے، آپ کا نسب گیارہ پشت پر حضرت

امام حسین سے ملتا ہے۔ آپ کی عمر پندرہ سال کی تھی اس وقت آپ کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ آپ اپنے موروثی باغ میں تشریف فرما تھے کہ ایک مجذوب وہاں پہونچ گئے، آپنے ان کی بہت عزت کی، اس پر مجذوب نے ایک پھل چبا کر خواجہ کو دیا، وہیں سے آپ کی حالت بدل گئی اور طریقت کی راہ پر چل پڑے، سب سے پہلے آپ سمرقند پہونچے، وہاں آپنے حفظ مکمل کیا، اس کے بعد عراق کے قصبہ ہارون پہونچے اور خواجہ عثمان ہارونی سے بیعت ہوگئے اور ایک ہی دن میں آپ کی تکمیل ہوگئی، لیکن بیس سال اپنے مرشد کی خدمت میں رہے، اس کے بعد اپنے شیخ کے حکم پر ہندوستان تشریف لائے۔ ۱۰/ محرم ۶۶۱ھ کو اجمیر پہونچے اور آبادی سے باہر ایک جگہ قیام فرمایا اور پورے ہندوستان میں وہیں سے ایمان واحسان کا نور پھیلایا، مجاہدہ کا یہ عالم تھا کہ ۷۰/ سال تک رات کو نہیں سوئے ، خواجہ فرمایا کرتے تھے کہ اہل معرفت کی عبادت پاس انفاس ہے اور فرمایا کرتے تھے جو کچھ ملتا ہے خدمت سے ملتا ہے۔ بلاشبہ آپ ہندوستان کے اہل طریقت کے امام ہیں اور سلسلۂ چشتیہ ہندوستان میں آپ ہی سے پھیلا۔ ہندوستان میں نوے لاکھ انسانوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ بالآخر ان تمام کمالات کے ساتھ ۶/ رجب یوم دوشنبہ ۹۶ سال کی عمر میں ۷۳۲ھ میں اجمیر کی سرزمین کے آغوش میں ہمیشہ کے لئے چلے گئے۔

تذکرہ شیخ عبدالقادر جیلانی

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی پیدائش ۴۷۰ھ میں جیلان میں ہوئی اور وفات

۱۰؍ربیع الثانی ۵٦١ھ بغداد میں ہوئی، مذہب کے اعتبار سے آپ حنبلی تھے، عقیدہ کے اعتبار سے اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے حامل تھے، فکری اعتبار سے آپ کا شمار تصوف کے عظیم رجال میں ہوتا ہے، طریقۂ قادریہ کی نسبت آپ ہی کی طرف ہے، آپ کی طرف نسبت کرتے ہوئے بہت سے صوفیاء اپنے کو قادری لکھتے ہیں۔

آپ کے والد ابو صالح موسیٰ عبادت و زہد میں بہت مشہور تھے اور اعمال کے ذریعہ ہمہ وقت مجاہدہ و تزکیہ نفس میں مصروف رہتے، آپ کا سلسلۂ نسب چند پشتوں کے بعد حضرت علی سے ملتا ہے، آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

ابو محمد عبد القادر بن موسیٰ بن عبد اللہ بن یحییٰ بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن عبد اللہ بن موسیٰ بن عبد اللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب۔

شیخ عبد القادر جیلانی نے بچپن ہی میں علوم شرعیہ کا اچھا خاصا حصہ حاصل کرلیا تھا، باقی علوم کی تکمیل کے لئے شیخ نے بغداد کا سفر کیا۔ ۴۸۸ھ میں ۱۸؍سال کی عمر میں خلیفہ عباسی مستظہر باللہ کے زمانہ میں بغداد تشریف لے گئے، اور وہاں ایک مدرسہ میں داخل ہوکر حنابلہ کے کبار مشائخ سے فقہ حاصل کیا، اور اس وقت موجود کبار محدثین سے حدیث کا علم حاصل کیا، اس کے بعد تیس سال تک اسی مدرسہ میں علوم شرعیہ کے آپ استاذ رہے، اسی اثناء آپ کے استاذ و مرشد ابو سعید المخرمی نے ۵۲۱ھ میں ایک مدرسہ میں مجلس وعظ کا انعقاد کروایا، ہفتہ میں تین دن آپ وہاں وعظ فرماتے تھے، اتوار اور جمعہ کی صبح اور منگل کی شام کو، بالتدریج آپ کے زمانہ کے بہت سے حکام، امراء، وزراء آپ کی مجلس وعظ میں حاضر ہونے لگے اور آپ کے پُراثر بیانات سے متأثر

ہوکر آپ کے ہاتھ پرتوبہ کرنے لگے،تقریباً ایک لاکھ ڈاکوؤں نے آپ کے ہاتھ پرتوبہ کیا اور پانچ ہزار یہود ونصاریٰ آپ کے ہاتھ پراسلام لائے،آپ امام غزالی کے افکار سے متأثر تھے،اسی لئے آپ نے اپنی کتاب الغنیۃ کا اسلوب وانداز امام غزالی کی احیاء کا رکھا، وعظ کہتے ہوئے حضرت شیخ اس قدر مستغرق ہوجاتے تھے کہ آپ کی پگڑی کی پیچ کھل کر زمین پر گر جاتی تھی،آپ کو احساس بھی نہیں ہوتا تھا،ابوسعید المبارک المخر می پیر ومرشد کے انتقال کے بعد آپ کا مدرسہ شیخ کے حوالہ کردیا گیا،اس طرح آپ نے اپنے کو علمی خدمات کے ساتھ تصوف وسلوک، وعظ وارشاد سے ہمیشہ جوڑے رکھا۔

بالآخر ۱۰/ربیع الثانی ۵٦۱ھ کو آپ نے بغداد میں رہتے ہوئے اس دار فانی کو الوداع کہہ دیا۔

تذکرہ شیخ بہاء الدین نقشبندیؒ

شیخ محمد سماسی اپنے مریدین کے ساتھ ایک مرتبہ قصر ہندوانی بستی میں مہمان ہوئے،اس وقت شیخ بہاء الدینؒ بچہ تھے،ان کے دادا نے شیخ محمد سماسی کی خدمت میں دعا کے لئے اس بچہ کو حاضر کیا،شیخ محمد سماسی بچہ سے مل کر بہت خوش ہوئے،اور فرمایا اس بچہ کو میں اپنے لڑکے کے طور پر قبول کرتا ہوں اور اپنے مریدین کو اس کی بشارت دی کہ یہ بچہ اپنے زمانہ کا امام ہوگا،خواجہ کے دادا تصوف کی لائن سے ان کی تربیت کرنا چاہتے تھے، چنانچہ شیخ بہاء الدین کی جب عمر ۱۸/سال کی ہوئی،ان کے دادا نے ان کی شادی کردی اور

اس کے بعد شیخ محمد سماسی کی خدمت میں تحصیل سلوک وطریقت کے لئے ان کو پہونچا دیا۔ ۷۵۵ھ میں جب شیخ محمد سماسی کا انتقال ہوگیا تو شیخ بہاءالدین کے دادا ان کو لے کر شیخ امیر کلال کے پاس پہونچے، جو شیخ محمد سماسی کے خلیفہ تھے۔ چنانچہ امیر کلال کی خدمت میں رہ کر سلوک وطریقت کی وہ تربیت حاصل کرتے رہے اور اسی کے ساتھ شیخ امیر کلال نے کہا میرے شیخ محمد سماسی نے مجھ کو وصیت کی تھی کہ میرے اس بچہ کی تربیت میں کوئی کوتاہی نہ برتنا۔ چنانچہ ایک دن وہ بھی آیا کہ شیخ امیر کلال نے ان سے کہا کہ مجھ کو میرے شیخ نے جو وصیت کی تھی اس وصیت کے مطابق میں نے تمہاری تربیت میں کوئی کوتاہی نہیں کی، پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینہ سے لگایا اور فرمایا جو کچھ میرے سینہ میں تھا میں نے سب کچھ تیرے سینہ میں منتقل کر دیا اور جو کچھ میرے بس میں تھا وہ سب کچھ میں نے منتقل کر دیا، اب تم ایک عظیم شخص ہو، اب اگر اس کے آگے تم بڑھنا چاہو تو کسی ایسے شخص کو تلاش کرلو جو مجھ سے زیادہ قابلیت رکھتا ہو اور تم کو اونچے مقام پر پہونچا سکتا ہو۔ چنانچہ اس کے بعد سات سال تک شیخ مولانا عارف دیگ گرانی جو شیخ امیر کلال کے خلفاء میں سے تھے ان کے پاس گزارے اس کے بعد بارہ سال شیخ ترکی کے پاس ٹھہرے جن کا نام خلیل آتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد سلوک میں وہ کامل ومکمل ہو گئے اور اس سلسلہ کے کام کو سنبھال لیا اور لاکھوں مریدین ان کے فیض سے مستفیض ہوئے اور بہتوں نے ان سے اجازت حاصل کی۔ بالآخر شب دوشنبہ ۳؍ ربیع الاول ۷۹۱ھ میں ۷۱؍ سال کی عمر میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور اپنے اس باغیچہ میں ہمیشہ کے لئے آسودۂ خواب ہو گئے جہاں تدفین کا انہوں نے حکم دیا تھا، آپ کی تدفین بخاریٰ کے جس باغیچہ میں ہوئی وہ جگہ

آج کی جغرافیائی اعتبار سے ازبکستان میں ہے۔

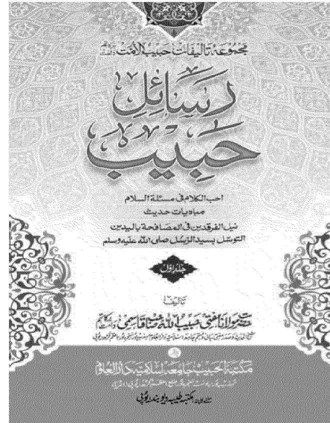
تذکرہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ

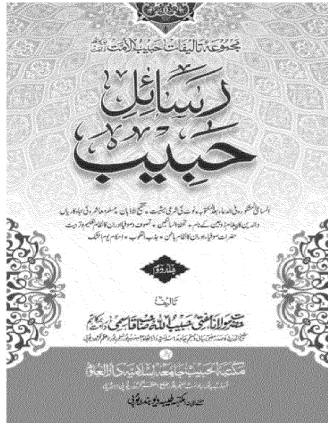
شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی پیدائش ۵۳۳ھ میں ہوئی اور وفات ۵۸۷ھ میں شہاب الدین یحیٰ بن حبش بن امیرک سہروردی شیخ مقتول، شیخ شہید، شیخ اشراق کے ساتھ مشہور ہیں، سہرورد ایک شہر کا نام ہے جس کی طرف ان کی نسبت ہے، یہ شہر چھٹی ہجری میں آباد ہوا تھا۔

شیخ نے فقہ اور اصول فقہ شیخ مجد الدین جیلی سے حاصل کیا جو کہ امام فخر الدین رازی کے استاذ ہیں اور فقہ میں پورا تبحر حاصل کیا، اس کے بعد چند سال عراق وشام میں سیاحت اور مطالعہ میں گزارا اور بہت سے علوم غریبہ میں بھی تبحر حاصل کیا، علوم میں تکمیل کے بعد اصفہان شیخ ظہیر الدین فارسی کے پاس پہونچے اور ان سے علم منطق حاصل کیا اور وہیں پر رہتے ہوئے ابن سینا کے افکار سے واقفیت حاصل ہوئی اور ایک زمانہ تک ابن سینا کے افکار وخیالات سے ہم آہنگ رہے، اس کے بعد انہوں نے ایران کا سفر کیا اور وہاں قیام کے دوران بہت سے مشائخ تصوف اور بہت سے مجاذیب سے ملاقات کی اور اسی سفر میں یہ تصوف وطریقت کی لائن کے مسافر بن گئے اور مجاہدات شروع کر دیئے، ایک سفر میں دمشق کے حلب میں جانا ہوا اور اس جگہ صلاح الدین ایوبی کے لڑکے ملک ظاہر سے بھی ملاقات ہوئی، ملک ظاہر صوفیوں سے بہت

گہرا تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے حلب میں ان کو قیام پذیر ہونے کی دعوت بھی دی، شیخ شہاب الدین سہروردی کو حلب کا ماحول پسند آیا اور ملک ظاہر کی دعوت قبول کرتے ہوئے وہاں قیام پذیر ہو گئے، لیکن کچھ بدخواہوں نے ان کے خلاف ملک ظاہر سے شکایت کی اور بعض وجوہ کے تحت ملک ظاہر کو ان علماء کی تائید کی ضرورت تھی جنہوں نے شیخ سہروردی کی شکایت کی تھی، مجبوراً ملک ظاہر نے ۵۸۷ھ میں جیل خانہ میں ڈال دیا اور اس کے بعد شیخ اسی جیل سے دنیا کو الوداع کہہ گئے، مشہور یہ ہے کہ جیل میں بھوک کی تاب نہ لا کر دنیا کو الوداع کہا، شیخ کی نماز جنازہ ذی الحجہ کے آخری جمعہ ۵۸۷ھ میں ادا کی گئی۔







تعارف حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم

حبیب الامت، عارف باللہ، حضرت، مولانا، الحاج، حافظ، قاری، **مفتی حبیب اللہ** صاحب قاسمی دامت برکاتہم چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی، دارالعلوم دیوبند کے اکابر فضلاء میں سے ہیں۔ جنہوں نے پوری زندگی خدمت دین، تبلیغ دین، اشاعت دین کے لئے وقف کردی ہے۔ آپ کی شخصیت اہل علم، اہل افتاء، اہل تدریس، اہل خطابت، اہل قلم میں معروف ومشہور ہے۔ آپ نے میزان سے دورۂ حدیث بلکہ افتاء وتخصص فی الحدیث تک کی تعلیم ایک زمانہ تک دی ہے اور دے رہے ہیں۔ تمام علوم وفنون پر آپ کی نگاہ ہے آج آپ کے ہزاروں ہزار فیض یافتہ تلامذہ ہند وبیرون ہند ہمہ جہت دینی وعلمی خدمات میں مصروف ہیں۔

آپ کے رشحات قلم کی تعداد ۴۰ ہے جن سے دنیا استفادہ کررہی ہے۔ بالخصوص التوسل بسید الرسل، نیل الفرقدین فی المصافحۃ بالیدین، اُحب الکلام فی مسئلۃ السلام، جذب القلوب، مبادیات حدیث، حیات حبیب الامت (اول، دوم، سوم)، حضرات صوفیاء اوران کا نظامِ باطن، تصوف وصوفیاء اوران کا نظام تعلیم وتربیت، حبیب السالکین، حبیب العلوم شرح سلم العلوم، صدائے بلبل، حبیب الفتاوی، رسائل حبیب (جلد اول، دوم)، تحقیقات فقہیہ، التوضیح الضروری شرح القدوری، ملفوظات حبیب الامت (جلد اول ودوم)، اک چراغ، جمال ھمنشیں، جیسی اہم تصنیفات ہزاروں علماء

سے خراج تحسین حاصل کرچکی ہیں۔ان میں خاص طور پر حبیب الفتاوی کی آٹھ جلدیں جدید ترتیب، تعلیق وتخریج کے ساتھ مکمل و مدلل اہل افتاء ودار الافتاء کے لئے سند کی حیثیت حاصل کرچکی ہیں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے آپ اساسی ارکان میں سے ہیں، اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے مدعو خصوصی ہیں، الحبیب ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ کے بانی وصدر ہیں۔ جس کے تحت درجنوں مکاتب غریب علاقوں میں چل رہے ہیں اور مساجد کی تعمیر کا کام ہورہاہے اور غرباء ومساکین وبیوگان کی ماہانہ وسالانہ امداد کی جاتی ہے۔ **جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور**، سنجرپور، اعظم گڈھ یوپی، انڈیا کے بانی ومہتمم اور شیخ الحدیث ہیں۔ جامعہ کے دار الافتاء والقضاء کے آپ رئیس وصدر ہیں، اور ہندوستان کے دیگر بہت سے اداروں کو آپ کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے، دینی، علمی، ملی خدمت آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔

روحانی اعتبار سے آپ کا تعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا **محمد زکریا** صاحب نور اللہ مرقدہ سے ہے اور ایک طویل زمانہ تک ان کی صحبت میں رہنے اور اکتساب فیض کا موقع آپ کو دستیاب ہوا ہے، بعد کے اکابرین میں حضرت مفتی **محمود حسن** صاحب گنگوہیؒ وحضرت قاری **صدیق احمد** صاحب باندویؒ وحضرت مولانا **عبد الحلیم** صاحب جونپوریؒ کی خدمت میں رہنے اور فیوض وبرکات کے حاصل کرنے کا ایک طویل زمانہ تک شرف حاصل رہا ہے۔ اور الحمد للہ حضرت مفتی **محمود حسن** صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا **عبدالحلیم**

صاحب جونپوریؒ سے **اجازت بیعت** بھی حاصل ہے۔روحانی اعتبار سے آپ کے فیض یافتہ ہزاروں ہزار افراد ہند وبیرون ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔آج تک سیکڑوں حضرات آپ سے اجازت بیعت حاصل کر چکے ہیں جو خانقاہی نظام سے وابستہ ہیں۔

میدان خطابت میں اللہ پاک نے آپ کو خصوصی ملکہ عطا فرمایا ہے،آپ کا خطاب ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا مصداق ہوتا ہے،آپ کے خطابات کی مستقل سی ڈی ہند وبیرون ہند میں پائی جاتی ہے۔اور انٹرنیٹ پر بھی آپ کے خطابات موجود ہیں،جن سے ایک عالم مستفید ہورہا ہے۔

(Go You Tube Print Mufti Habibullah Qasmi)

الغرض آپ بہت سے خصوصیات کے حامل ہیں، اللہ پاک نے بے پناہ خوبیوں کا مالک بنایا ہے، اللہ پاک ہم سب کو حضرت والا کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کے علوم وفیوض سے مستفید ہونے کی سعادت نصیب فرمائے۔آمین۔



حبیب الفتاوی

ارباب افتاء واصحابِ علم کے لئے ایک قیمتی تحفہ

فقہ وفتاوی انسانی زندگی کا لازمی جز ہے، اس کے بغیر رضاء الٰہی کا حصول، حدود شرعیہ کی معرفت، حلال وحرام کی تمیز، جائز وناجائز کی پہچان اور اسلامی معاشرت غیر ممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر قدم بہ قدم فقہی رہبری اور فتاوی ومسائل کی ضرورت ہر مسلمان محسوس کرتا ہے۔ جس کی تکمیل ہر دور کے اہل علم وارباب افتاء کے ذریعہ ہوتی رہی ہے "حبیب الفتاوی" اسی ضرورت کی تکمیل کی ایک کڑی ہے جو ہندوستان کے ممتاز اور مشہور مفتی اور نامور صاحب قلم اور ۴۰ کتابوں کے مصنف حضرت حبیب الامت، عارف باللہ حضرت مولانا الحاج مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم سابق مفتی واستاذ حدیث مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور حال شیخ الحدیث وصدر مفتی بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، سنجر پور ضلع اعظم گڈھ یوپی، انڈیا۔ تلمیذ رشید وخلیفہ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند وخلیفہ ومجاز بیعت حضرت مولانا شاہ عبد الحلیم صاحبؒ جونپوری کی جامع تصنیف ہے۔ جن کے قلم سے درجنوں کتابیں نکل کر اصحاب افتاء علماء امت، زعماء ملت سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

''حبیب الفتاوی'' میں جو علمی گہرائی، احکام شریعت سے آگہی، مطالعہ کی وسعت، بالغ نظری، فقہی بصیرت، حوادث الفتاوی کا انطباق، جدید مسائل کا حل پایا جاتا ہے وہ دیدنی ہے، مستند کتابوں کے حوالے اور نظائر کے ساتھ تقریبا تمام ابواب پر عام فہم اور دلنشیں اسلوب میں مفصل بحث کی گئی ہے، اردو فتاوی میں اپنی نوعیت کی منفرد کتاب، ملک کے درجنوں بزرگ ارباب افتاء، ام المدارس کے علماء فقہاء کی تصدیق وتصویب، عمدہ کاغذ، خوبصورت طباعت، دلکش ٹائٹل کے ساتھ ''حبیب الفتاوی'' کی آٹھ (۸) جلدیں نئی تحقیق وتعلیق اور جدید ترتیب کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہیں جو یقیناً اصحاب افتاء واہل علم واہل مدارس کے لئے ایک قیمتی تحفہ ہے۔



ملنے کا پتہ

(۱) مکتبہ الحبیب، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

(۲) مکتبہ الحبیب وخانقاہ حبیب گوونڈی ممبئی

(۳) مکتبہ الحبیب وخانقاہ حبیب مقام پوسٹ حبیب آباد جھٹکاہی ڈھاکہ، ضلع مشرقی چمپارن، بہار

(۴) مکتبہ طیبہ دیوبند ضلع سہارنپور

(۵) اسلامک بک سروس پٹودی ہاؤس دریا گنج، دہلی

حضرت حبیب الامت کی تصنیفات ایک نظر میں

(۱) حبیب الفتاوی (جلد اول)
(۲) حبیب الفتاوی (جلد دوم)
(۳) حبیب الفتاوی (جلد سوم)
(۴) حبیب الفتاوی (جلد چہارم)
(۵) حبیب الفتاوی (جلد پنجم)
(۶) حبیب الفتاوی (جلد ششم)
(۷) حبیب الفتاوی (جلد ہفتم)
(۸) حبیب الفتاوی (جلد ہشتم)
(۹) تحقیقات فقہیہ (جلد اول)
(۱۰) تحقیقات فقہیہ (جلد دوم)
(۱۱) رسائل حبیب (جلد اول)
(۱۲) رسائل حبیب (جلد دوم)
(۱۳) صدائے بلبل (جلد اول)
(۱۴) حبیب العلوم شرح سلم العلوم

(۱۵) التوضیح الضروری شرح القدوری

(۱٦) ملفوظات حبیب الامت (جلد اول و دوم)

(۱۷) جمال ہم نشیں

(۱۸) حیات حبیب الامت (جلد اول، دوم، سوم)

(۱۹) احب الکلام فی مسئلۃ السلام

(۲۰) مبادیات حدیث

(۲۱) نیل الفرقدین فی المصافحۃ بالیدین

(۲۲) التوسل بسید الرسل

(۲۳) جذب القلوب

(۲۴) حبیب السالکین

(۲۵) تصوف وصوفیاء اوران کا نظام تعلیم وتربیت

(۲٦) حضرات صوفیاء اوران کا نظام باطن

(۲۷) قدوۃ السالکین

(۲۸) المساعی المشکورۃ فی الدعاء بعد المکتوبۃ

(۲۹) احکام یوم الشک

(۳۰) نوٹ کی شرعی حیثیت

(۳۱) والدین کا پیغام زوجین کے نام

(۳۲) علماء وقائدین کے لئے اعتدال کی ضرورت

(۳۳) مسلم معاشرہ کی تباہ کاریاں

(۳۴) درود وسلام کا مقبول وظیفہ

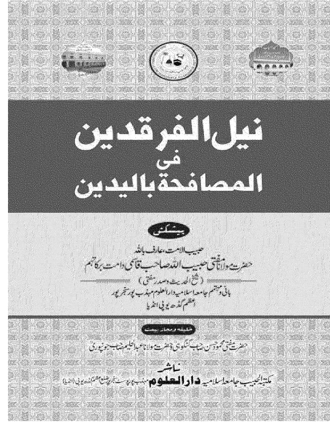
(۳۵) خدمات حبیب الامت

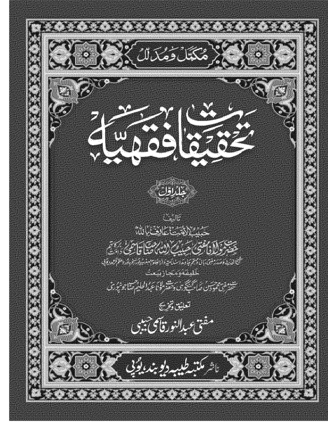
(۳۶) خطبات حبیب الامت

(۳۷) برکات قرآن

(۳۸) اک چراغ







جامعہ کا مختصر تعارف

جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجر پور ضلع اعظم گڈھ یوپی، انڈیا، ضلع اعظم گڈھ کا وہ قابل ذکر وفخر اور معیاری ادارہ ہے، جس کی بنیاد علاقہ کی ضرورت اور وقت کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۹۹۴ء میں حبیب الامت، عارف باللہ حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم خلیفہ ومجاز بیعت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ وحضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ نے رکھی، اورانہی کی جہد مسلسل، سعی پیہم اور مخلصانہ کارکردگی اور محنت کا یہ ثمرہ ہے کہ جامعہ نے تعلیمی وتعمیری اعتبار سے اتنی پیش رفت حاصل کی ہے کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں، اور روز افزوں ترقی ہر گوشہ سے دعوت نظارہ دے رہی ہے، اور جامعہ کا ہر چپہ بزبان حال یہ کہہ رہا ہے:

ہر شئی سے یہاں ہوتا ہے عیاں، فیضان علومِ حبیب اللہ
چھایا ہے ہر اک بام ودر پر، لمعانِ نجومِ حبیب اللہ

احاطۂ جامعہ صرف دارالعلوم ہی نہیں، بلکہ ایک شہر علم ہے، ظاہری وباطنی، علمی وروحانی اعتبار سے معاصرین پر سبقت حاصل کرچکا ہے۔ ؎

ع یہ دار علوم اسلامی صد رشک ضیاء طور بنا

وسیع رقبہ پر آباد یہ شہر علم مدارس اسلامیہ ہند کی تاریخ کا ایک روشن باب بن چکا ہے، اور سیکڑوں طالبان علوم نبوت یہاں رہ کر اپنی علمی تشنگی بجھاتے ہیں، باطنی وروحانی کیفیات کے اعتبار سے یہ ادارہ اپنی مثال آپ ہے، حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم بانی جامعہ کی علمی، روحانی، فکری وذہنی صلاحیتوں کا جلوہ صد رنگ ارتقائی شکل میں ہر طرف عیاں ہے، اس علمی گہوارہ کا اپنی مضبوط کارکردگی، اعلیٰ تعلیم اور اپنے بلند عزائم وحوصلوں میں ایک خصوصی مقام ہے۔

جس کا نمونہ پیش کرنے سے معاصر ادارے تہی دامن ہیں۔

الحمدللہ اس قلیل عرصہ میں 500 طلباء حافظ اور درجنوں عالم اور سیکڑوں مفتی بن چکے ہیں اور تیس (۳۰) طلباء تخصص فی الحدیث سے فارغ ہو چکے ہیں، اور اب تک چالیس (۴۰) کتابیں یہاں سے شائع ہو چکی ہیں اور کئی لاکھ کی کتابیں کتب خانہ میں موجود ہیں جن سے طلباء، اساتذہ استفادہ کر رہے ہیں۔ چھوٹے بڑے 80 کمرے تعمیر ہو چکے ہیں، اس کے علاوہ وسیع وعریض مسجد، کتب خانہ، دارالافتاء، دار التصنیف، دار المطالعہ، دار المدرسین، پانی کی ٹنکی وغیرہ کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے، اس کے علاوہ الحبیب ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ کے تحت مکاتب کا قیام، مساجد کی تعمیر کے علاوہ غرباء ومساکین وبیوگان کی وافر مقدار میں ماہانہ وسالانہ امداد بھی کی جاتی ہے۔ اللہ پاک قبول فرمائے اور عزم وحوصلہ سے نوازے۔ آمین

